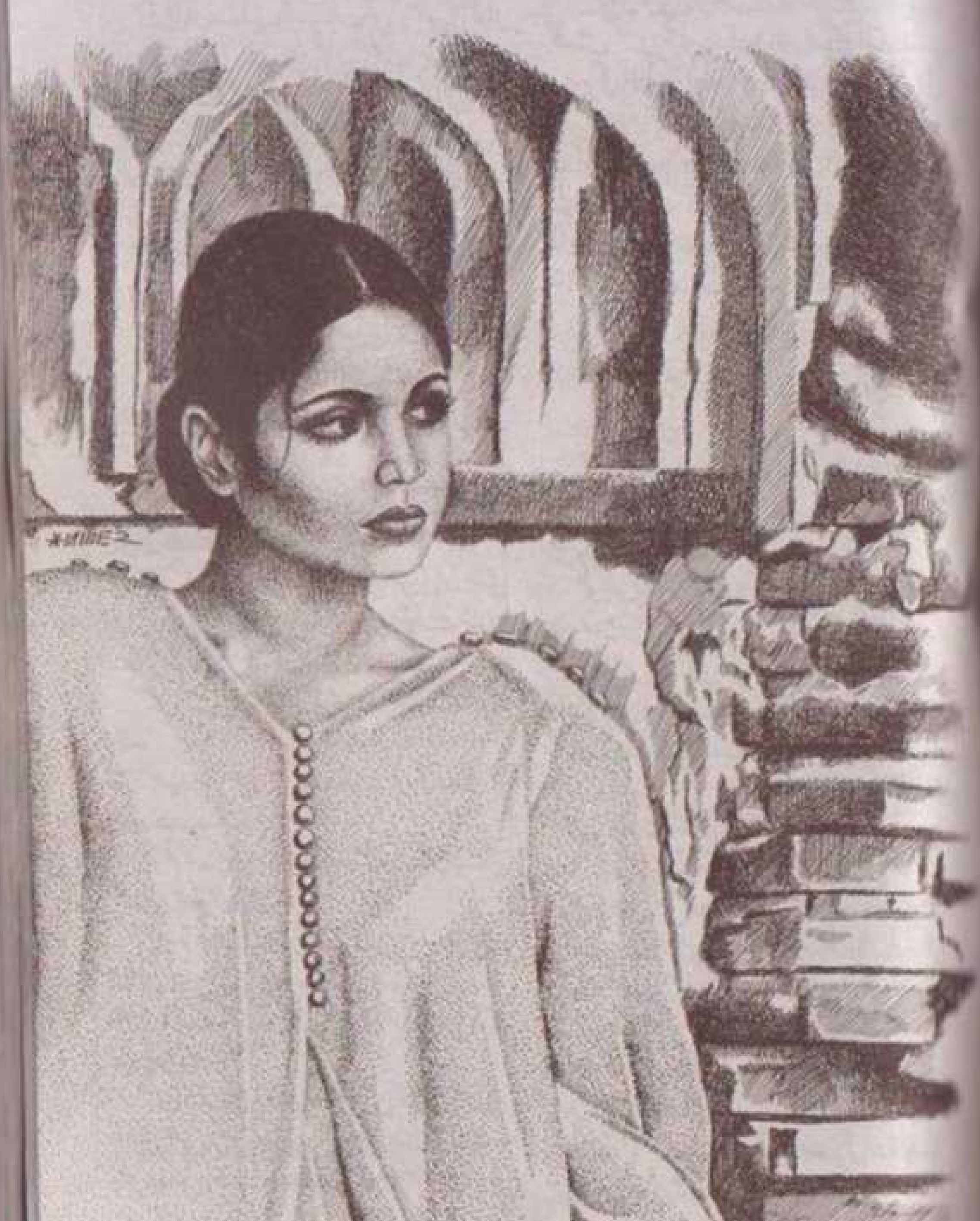

نادیہ الحسین

گمراہ

ندی کا پانی بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔ اس وقت علاقے پر مہیب خاموشی طاری تھی۔ اس سناٹے کو پانی کی آواز توڑ رہی تھی۔ پرندے ندی کے کنارے پانی پینے اور نہانے میں مشغول تھے۔ بکریاں ندی کا پانی پی کر ندی کراس کرنے لگی تھیں۔ اس خاموش اور بوجھل فضا میں پرندوں کے مدھ بھرے گیت دور سے چرواہوں کی بنسلی کی آواز اس زندگی کا ایک انوکھا پیغام دیتی نظر آتی تھیں۔ ندی کے کنارے بیٹھا وہ چھوٹے چھوٹے پتھر پانی میں پھینک رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی تمام توجہ کوئل کی آواز پر تھی۔ اس کی تلاش میں وہ

مکمل ناول

چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر مایوس ہو کر ایک بار پھر پانی میں پتھر پھینکنے لگا۔ بڑے سے پتھر پر بیٹھا وہ جانے کن سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے قریب ہی اس کی کتابیں رکھی تھیں۔ آیا تو وہ روز کی طرح پڑھنے ہی تھا لیکن آج اس نے کتاب کو چھوا بھی نہیں تھا۔ عجیب سی سستی و بے زاری وجود پر چھائی ہوئی تھی۔ اس بے زاری کا سبب وہ خود کو یاد دلانا نہیں چاہتا تھا۔ اس کا شغل جانے کتنی دیر تک جاری رہتا۔

"مجھے پتا تھا تم یہیں ہو گے۔ اس لیے یہیں چلا آیا۔" نوید اس کے قریب آ کر ہانپتے ہوئے بولا۔

"کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا تمہیں۔ ٹیسٹ کی تیاری کرلی۔" وہ اصل سوال پر آتے ہوئے بولا۔ ساتھ ہی اس نے ہاتھ میں پکڑی کتابیں پتھر پر رکھ دیں۔ جوں ہی اس کی توجہ اس کے سنجیدہ چہرے کی جانب مبذول ہوئی تو مزید بولا۔

"اتنے چپ چپ کیوں ہو؟" اپنا ہاتھ اس نے اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ اور اس کی آنکھوں میں چھپی رنجیدگی کو بغور پڑھنے لگا۔

"ویسے ہی۔" ہاتھ میں پکڑے پتھر ندی میں پھینکتے ہوئے وہ سر ہلا کر بولا۔

"کیا ایسے ہی۔ سیدھا سیدھا بول کیا پرابلم ہے۔ ٹیسٹ کی تیاری کی۔" وہ بے یقینی کی کیفیت میں گھرا اس سے ٹیسٹ کی بابت پوچھنے لگا۔ سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ ایک بار پھر اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"نہیں کی تیاری۔" وہ مسلسل پتھر ندی میں پھینک رہا تھا۔

"ٹیسٹ کی تیاری نہیں کی اور یہاں پتھروں سے کھیل رہے ہو چلو ساتھ بیٹھ کر کرتے ہیں تیاری۔" وہ کتابیں کھول کر مطلوبہ ٹاپک نکال کر اسے دیکھنے لگا۔

وہ ہنوز پتھروں سے کھیل رہا تھا۔

"شعور! یار کیا بدتمیزی ہے۔ کل سر رضوان کا ٹیسٹ ہے۔ تمہیں پتہ ہے ناکہ وہ ٹیسٹ میں مارکس کم آنے پر کس قدر سختی سے پیش آتے ہیں۔" جغرافیہ کی بک کو بند کرتے ہوئے وہ اسے الجھن آمیز نظروں سے دیکھنے لگا۔

"بات کیا ہے آخر؟" وہ اس کے چہرے پر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ پریشانی، خاموشی، دکھ، خوشی کچھ ظاہر نا تھا۔

"تم تو یوں پوچھ رہے ہو جیسے میں کسی بڑے حادثے سے دوچار ہوا ہوں۔ کچھ نہیں ہوا۔" وہ مدھم لہجے میں بولا۔ اس کی آواز سے کسی بھی تاثر کا اندازہ نا ہو سکا

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

تھا۔

"کوئی وجہ ہو گی تمہاری خاموشی کی۔" وہ کریدنے لگا۔ کچھ تامل کر کے ایک گہری سانس لے کر وہ کہنے لگا۔

"آج اماں نے ایک عجیب بات کہی۔" اس کی آواز بہت دور سے آتی لگ رہی تھی۔ "عجیب میرے لیے ہے یا سب کے لیے یہ نہیں پتا۔ لیکن کم از کم اس اسٹیج پر تو میں اسے اپنے لیے عجیب ہی محسوس کر رہا ہوں۔" کچھ دیر کے لیے وہ خاموش ہوا پھر چند لمحوں بعد وہ سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے بولا۔

"بابا جان میری شادی کروانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے میری اور زرین کی بات پکی کر دی ہے۔"

"تو۔" نوید الجھن آمیز نگاہوں سے تکتا بولا تھا۔

"تو یہ کہ زرین ایسا نہیں چاہتی۔ وہ اپنے ماموں کے بیٹے سے شادی کرنا چاہتی ہے۔" وہ خاموش ہوا نوید آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگا۔

"زرین ایسا نہیں چاہتی لیکن کیوں؟" اس نے بالی حیرت سے پوچھا تھا۔

"یار تمہیں تو معلوم ہے کہ اس کی اماں کی اور میری ماں کی آپس میں نہیں بنتی۔ اس کی اماں اسے شادی سے منع کر رہی ہیں۔" وہ وضاحت کرنے لگا۔

"میں نہیں چاہتا کہ یہ شادی ہو۔" چند لمحے بعد وہ بولا۔

"جب وہ راضی نہیں ہے تو زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"تو تم کہہ کیوں نہیں دیتے۔" نوید کے چہرے پر تفکر کی پرچھائیاں تھیں۔

"یہی تو مسئلہ ہے میں کہہ نہیں سکتا۔ بابا جان ناراض ہو جائیں گے سب گھر والے۔ سارے خاندان والے۔ جانے کیوں میں کچھ کہہ نہیں پاتا۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"میں نے اماں سے بات کی تھی کہ ابھی میری پڑھائی مکمل نہیں ہوئی۔ ابھی میرا حفظ رہتا ہے۔ لیکن وہ کوئی بات سننے کو تیار نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ یہ سب بعد میں بھی ہوتے رہیں گے۔" وہ تاسف سے گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ اس کے چہرے پر الجھن تھی۔ جسے بھانپ کر نوید اس کی پیٹھ سہلاتے ہوئے بولا۔

"تم یوں ہی پریشان ہو رہے ہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اور پھر مجھے لگتا ہے بے پر کی اڑائی گئی ہے تمہارے جیسے بندے کو کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ تمہارے جیسا ہیرا ملے گا زرین کو اور کیا چاہیے۔" وہ بات کے اثر کو زائل کرنے کے لیے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا۔ بظاہر وہ اسے سن رہا تھا لیکن اندر ہی اندر وہ اتنا ہی مضطرب اور پریشان تھا جتنا اس کے آنے سے پہلے تھا۔

☼ ☼ ☼

"شعور بیٹا۔" فردوس اس کے بیڈ کے قریب آ کر اسے دیکھ کر بولیں۔

"اتنے چپ چاپ کیوں ہو۔" وہ جو اوندھا لیٹا ہوا تھا اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ دھیرے دھیرے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔ وہ چپ رہا۔

"دیکھو بیٹا اگر تم شادی کی بات پر اتنے چپ ہو تو میں تم سے یہی کہوں گی کہ اس گاؤں کے تم پہلے لڑکے نہیں ہو جس کی شادی اس عمر میں ہو رہی ہے۔ جہاں تک پڑھائی کی بات ہے تو وہ تم شادی کے بعد بھی مکمل کر سکتے ہو۔ لڑکیوں کے لیے مسئلہ بن جاتا ہے مگر لڑکوں کے لیے کوئی مسئلہ نہیں۔" انہوں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ فوراً نفی کرتا بولا۔

"لیکن اماں اتنی جلدی میں نے نہیں سوچا تھا پہلے میری پڑھائی مکمل ہوتی میرا حفظ مکمل ہوتا نوکری ملتی پھر اب۔" وہ انہیں قائل کرنا چاہتا تھا وہ اسے قائل کرنے لگیں۔ "وہ سارے رہتے ہیں وہ بھی حفظ ہو جائیں گے انشاء اللہ بیٹا ہمارے گاؤں میں نوکری ووکری کو نہیں دیکھا جاتا۔ اللہ رزق دینے والا ہے جہاں بھی تمہارا رزق لکھا ہے وہ تمہیں مل کر رہے گا۔ تمہارے ابا تمہارے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ وہ دیار غیر میں رہتے ہیں۔ بیٹا زندگی اور موت کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ وہ چاہتے ہیں کہ اپنی زندگی میں اپنی نظروں کے سامنے تمہاری شادی کی خوشی دیکھیں۔ کیا تم اپنے باپ کی اتنی سی خواہش بھی پوری نہیں کر سکو گے۔"

جذباتی وار کر کے وہ اسے جانچتی نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"میری جان ہم تمہارا بھلا چاہتے ہیں۔" وہ اسے گلے لگا کر بولیں۔ "میں اپنے بیٹے کی شادی اس دھوم دھام سے کراؤں گی کہ ساری دنیا دیکھے گی۔" وہ اس کے ماتھے پر بوسہ دیتی بولیں۔

اماں کے جانے کے بعد وہ پھر سے اوندھا لیٹ کر زرین کو سوچنے لگا۔

ہلکی پھلکی چہ میگوئیاں اب باقاعدہ اعلان بنتی جا رہی تھیں۔ زرین نے واضح الفاظ میں سب کے سامنے شادی نہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ گھر کے ایک کمرے میں کیا گیا اعلان اگلے چند گھنٹے کے اندر پورے گاؤں میں پھیل گیا۔ وہ سب ابھی بھی اسے سمجھا رہے تھے۔

"کیا چاہتی ہو تم" بہادر خان آنکھوں میں طیش لیے بظاہر نرم رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو کے براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے اسے گھور رہے تھے۔

"تمہاری بات بچپن سے طے ہے شعور کے ساتھ اس کی تمہیں خبر ہے اب تم اس سے شادی نہیں کرنا چاہتیں۔"

"ہاں۔" ان کے لہجے کی سختی کا احساس زرین کو ہو رہا تھا لیکن وہ گھبراہٹ کا شکار نہیں ہونا چاہتی تھی۔ سب پر ایک گہری نگاہ ڈال کر بولی۔

"بابا جان مجھے یہ شادی نہیں کرنی۔ ایک دفعہ کہہ چکی ہوں میں۔" اس کے قطعی لہجے پر اس کے سامنے والی چارپائی پر بیٹھا اس کا بھائی پہلو بدل کر رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں دہکتی چنگاریاں زرین نے بھی دیکھ لی تھیں لیکن اس پر بنا توجہ دیے وہ اپنی بات کے اثر کو جانچنے کی خاطر سب کو دیکھنے لگی۔ سب خاموش تھے۔ جہاں اولاد خود سر ہو جائے وہاں خاموشیاں راج کرنے لگتی ہیں۔

"شادی اسی تاریخ کو ہو گی اور شعور کے ساتھ ہی ہو گی۔" منده خان نے بات کو ختم کرتے ہوئے عنایت اللہ کو دیکھ کر کہا۔

"تم تیاری کرو۔ یا تو یہ شادی کرے گی یا پھر ساری عمر کنواری بیٹھی رہے گی اس کی شادی وہاں بھی نہیں ہو گی جہاں یہ چاہتی ہے۔" باپ کی زبان سے نکلے الفاظ پر وہ بھڑک کر اٹھی اور تیز تیز قدموں سے کمرے سے چلی آئی۔ کمرے میں سکینہ بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھیں اسے آتے دیکھ کر انہوں نے بڑی بے کلی سے پوچھا۔

"کیا ہوا۔" اس نے باپ کے الفاظ دہرا دیے تھے۔ ماں کے چہرے پر بھی فکر انگیز تاثرات ابھرے۔

"بس ڈٹی رہنا دیکھتی ہوں کیسے زبردستی کرتے ہیں۔"

اردو اور انگریزی ادب سے شاہکار انتخاب

عمران ڈائجسٹ

جنوری 2006ء کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

☆ معروف مصنف اسلم راہی کے قلم سے تاریخی صفحات عمران کے قارئین کے لیے بطور خاص

دو تہلکہ خیز سلسلے

☆ ایک نوجوان کی حیرت انگیز داستان جو کمسنی کی عمر میں ہی دشمنوں کا نشانہ بن گیا تھا۔ نیا پُرتجسس سلسلہ "آتش زادہ"

☆ حالات کی گود میں پل کر جوان ہونے والے ایک آتش صفت کی حیرت انگیز سرگزشت ایم اے راحت کے قلم سے "عقاب"

☆ ادب سے انتخاب

☆ زندگی کے تلخ حقائق سے منتخب "سچی داستانیں"

☆ "گلدستہ" قارئین کی تحریروں سے سجا سلسلہ

اس کے علاوہ بہت سی دلچسپیاں

تازہ شمارہ آج ہی خرید لیں

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

تمہارے ماموں کہہ رہے تھے کہ زرین میری ہے اور یہ صرف میرے بیٹے کی دلہن بنے گی۔"

"پتا نہیں ان کو ہمارے ننھیال سے کیا دشمنی ہے وہ صرف ضد میں کر رہے ہیں یہ سب۔" زرین کے لہجے میں آگ کی سی حدت تھی۔ وہ دونوں بڑی متفکر اور پریشان تھیں۔

"سنو سرفراز۔" وہ کمرے میں بیڈ پر لیٹا کچھ سوچ رہا تھا شائستہ اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"ہاں بولو۔" اسے اپنی بیوی کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی دکھائی دی۔

"زرین یہ سب ٹھیک نہیں کر رہی۔ تم اسے سمجھاؤ تم بڑے بھائی ہو اس کے۔ وہ خاندان کا نام ڈبونے پر تلی ہے۔ پورے گاؤں میں کوئی ایسی لڑکی نہیں جس نے اتنی جرأت کی ہو۔ ماموں کے بیٹے کے لیے وہ بچپن کی بات توڑنے کو کہہ رہی ہے۔" وہ شوہر کو بھڑکانے لگی۔

"شاید اسے حسن پسند ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا وہ اس کے نرم لہجے کی وجہ پاتے ہی سلگ اٹھی۔

"اگر وہ اسے پسند ہے تو کیا اس کے لیے وہ یوں سب کی مخالفت کرے گی۔ یوں شرم و حیا چھوڑ دے گی۔" اسے شوہر کی بات اچھی نہیں لگی۔

"تم خود بتاؤ۔ اس گاؤں میں ایسی کون سی لڑکی ہے جس نے اپنی پسند سے یوں بدنامی مول لے کر شادی کی ہو۔ کیا ہماری شادی پسند سے ہوئی تھی۔" وہ زخموں پر نمک چھڑک رہی تھی۔ وہ تمام اگلے پچھلے حساب برابر کرنے کے موڈ میں تھی۔

"ٹھیک ہے آج یہ اپنی پسند سے شادی کرے گی کوئی مسئلہ نہیں۔ کل کو تمہاری دوسری بہن اپنی پسند کے لیے ڈٹ جائے گی پھر ان کی دیکھا دیکھی تمہاری بیٹیاں جو بڑی ہوتی جا رہی ہیں۔ اپنی پسند بتانے لگیں گی۔ تب خاندان کی عزت کا جنازہ نکلتا دیکھ سکو گے تم؟ ارے تم لوگ تو شرم کے مارے اپنی پسند سے۔ بہن بھی کی بات بھی کیا نہ کر سکو گے کہ کیا پتا کب وہ اپنی پسند کا اعلان کر کے بغاوت کر دے۔" وہ استہزائیہ ہنسی ہنستے ہوئے اسے مزید طیش دلانے لگی۔

"پتہ ہے مجھے اس لیے دن رات انگاروں پر لوٹ رہا ہوں۔" وہ غصے سے بھڑکتے لہجے میں بولا۔

"اگر اس نے شعور کے ساتھ شادی سے انکار کیا تو ساری زندگی شادی کی حسرت میں ہی کٹ جائے گی۔ اس گھر سے اس کا جنازہ نکلے گا بارات نہیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس کا آنچ دیتا لہجہ اور سرخ انگارہ آنکھیں شائستہ کو پرسکون کر رہی تھیں۔ اس کی اپنی نند کے ساتھ نہیں بنتی تھی۔ وجہ اختلاف دونوں کا انگارہ صفت ہونا تھا۔ اگر ان میں سے ایک ایک بات سناتی تو دوسری چپ کرنے کی بجائے دس سناتی تھی۔

☆ ☆ ☆

دسمبر کے دن تھے۔ ایک دن بارش ہوتی تو مسلسل کئی دن تک جاری رہتی۔ اس وقت دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سرد ہوائیں بھی چل رہی تھیں، چونکہ وہ بغیر سویٹر کے نکل آیا تھا اس لئے ہوائیں جسم کو چبھ رہی تھیں۔ بے دھیانی میں وہ کھیتوں کے بیچوں بیچ چل پڑا۔

یہاں سے اس کی نظریں دور پہاڑوں پر جم گئیں۔ وہ زمین پر چھوٹے سے پتھر سے کچھ لکھنے لگا تھا وہ اپنے نام کے ساتھ زرین کا نام لکھتا اور مٹاتا رہا۔ جانے کتنی دیر تک وہ یہی کرتا رہا جب اس کی کمر پر پتھر آ لگا۔ اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اسے معلوم تھا کہ یہ حرکت کس کی ہو سکتی ہے۔ اسی لیے ہنوز خاموشی سے زمین کو دیکھنے لگا۔ لیکن اب وہ کچھ لکھ نہیں رہا تھا۔

"ارے لوگوں کے اتنے نخرے ہیں کہ دیکھتے بھی نہیں۔" کھنکتی آواز پر کان دھرے بغیر وہ سر جھکائے خود کو لاتعلق ظاہر کرنے لگا۔ وہ اس کے سامنے آ گئی۔

"شہزادے اتنے اداس کیوں ہو؟" اس کی مترنم ہنسی اسے زہر کی مانند لگی۔

"جاؤ یہاں سے کوئی دیکھ لے گا۔" وہ دھیرے سے بولا۔ اس کی نظریں تھک ہار کر اٹھیں تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"کیا یہ درخت پودے مجھ سے زیادہ حسین ہیں جو انہیں دیکھ رہے ہو۔ مجھے ذرا بھی توجہ نہیں دے رہے۔" اب کے وہ پھسکڑا مار کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تم کیوں میرے پیچھے پڑی ہوئی ہو۔" اب وہ عاجز آ گیا۔

"اچھے لگتے ہو" وہ آنکھیں نچاتے ہوئے بڑے اسٹائل سے بولی۔ وہ اٹھ گیا۔ اس کے چل پڑتے ہی وہ تیزی سے اٹھ گئی۔

"ارے بہت بزدل ہو تم لڑکی سے ڈرتے ہو۔" وہ پیچھے سے آتی آوازوں پر کان دھرے بغیر چل پڑا۔ اس کی کوئی بات سنے بغیر تیزی سے قدم اٹھانے لگا۔

فردوس خان کے گھر لالہ جان (ساس) کو سرسوں کا ساگ دینے گئیں وہاں جاتے ہی ان کی نظر صحن میں چارپائی پر بیٹھی زرین پر پڑی ان کو دیکھتے ہی زرین کے چہرے پر بارہ بج گئے۔ منہ بناتے ہوئے وہ ساتھ بیٹھی رخسار سے کچھ کہنے لگی۔ پھر فردوس کے برآمدے کی طرف بڑھتے قدم اس کی آواز پر رک گئے۔

"سنو! مجھے تم سے تمہارے بیٹے سے نفرت ہے میں مر تو جاؤں گی پر یہ شادی نہیں کروں گی سمجھیں تم۔" وہ بدتمیزی سے بولی۔ فردوس پلٹ کر دھیرے دھیرے قدم اٹھا کر اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔

"ایک بار صرف ایک بار تمہیں اپنے بیٹے کی اترن بنا کر چھوڑوں گی سمجھیں نا ایک بار۔ پسند و ناپسند سب بھول جاؤ گی۔" پھر آنکھوں میں تلخ مسکراہٹ لیے وہ وہاں سے چلی گئیں۔ وہاں بیٹھی خواتین دونوں کے الفاظ پر غور کرنے لگیں۔ کچھ دن گزرے یوں لگ رہا تھا جیسے سب ٹھیک چل رہا ہو۔ لیکن ہمیشہ ویسا نہیں ہوتا جیسا ہم سوچ رہے ہوتے ہیں۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے۔ زرین اور سکینہ کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ زرین پر جیسے ایک ضد سوار تھی یہ جنگ دو عورتوں کے مابین تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو جیتتے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

سرفراز کو گھر آتا وہ دیکھ چکی تھی شائستہ نے اسے کھانا دیا۔ کھانے سے جوں ہی وہ فارغ ہوا وہ اس کے

طنز و مزاح سے
بھرپور کالم
آپ سے
کیا پردہ
ابنِ انشاء
قیمت: 250/- روپے
ڈاک خرچ: 30/- روپے
بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
280/- روپے روانہ کریں۔
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کمرے میں چلی آئی۔ اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر سرفراز کے چہرے پر ناگوار تاثرات ابھرے۔ جسے کسی بھی خاطر میں لائے بغیر وہ براہ راست بولی۔

"بھائی بات کرنی ہے۔" سرفراز نے اس کے ہاتھ میں کچھ دیکھا تھا تبھی بڑی سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا۔ بھائی کی طرف سے کوئی جواب نا پا کر وہ خاموشی سے آگے بڑھی۔

"بھائی میں آپ کو اس کا واسطہ دیتی ہوں آپ میری شادی شعور سے نا کریں۔" ہاتھ میں تھامے قرآن کو اس نے سرفراز کے آگے کیا۔ وہ دم بخود کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ رونے لگی۔ سرفراز کے ساکت وجود میں جنبش ہوئی۔ اس نے دھیرے سے قرآن اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ پھر اسے چوم کر اس نے دیوار میں لگے لکڑی کے اونچے تختے پر رکھ دیا۔ اور پھر دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ چند لمحے وہ کچھ نا بولا۔ پھر ہمت مجتمع کر کے بول پڑا۔

"تم نے شادی نہیں کرنی۔" اس کی آنکھوں سے وہ کچھ اخذ نا کر سکی۔

"نہیں۔" وہ اسے متعجب نظروں سے دیکھنے لگی۔ [illegible] اس کے منہ سے پڑا۔

"ابھی تک تم اسی بات کو لے بیٹھی ہو۔" وہ دہاڑا تھا۔

"ساری دنیا میں بدنام کر کے رکھ دیا۔ بہت سر چڑھایا ہے ماں نے تمہیں۔ اب وہ تمہاری درگت بنتے اپنی نظروں سے دیکھے۔" اس شور شرابے پر سب جمع ہو گئے۔ صندل خان نے اسے قابو کیا۔ وہ ان کی قید میں پھڑپھڑانے لگا۔ وہ مسلسل چیخ رہا تھا۔

"کیا کر رہے ہو باہر تک آواز جائے گی۔ اگر کسی نے سن لیا تو مزید بدنامی ہو گی۔" چچا اسے سمجھانے لگے۔

"اس سے زیادہ کیا بدنامی ہوگی اس نے ہمیں کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا۔ کیا کمی ہے شعور میں۔ اس جیسا تو پورے گاؤں میں نہیں۔ اس کے قابل تو یہ نہیں ہے۔ کہاں وہ اور کہاں یہ۔" وہ غصے میں بس اس کے کردار کی دھجیاں بکھیرنے لگا۔

"پانی لاؤ۔" صندل خان نے کسی سے کہا۔ ٹھنڈے پانی کے گھونٹ لیتے ہوئے بھی وہ قہر آلود نگاہوں سے بس کو تکے جا رہا تھا۔

"جاؤ لے جاؤ اسے۔" صندل چچا نے سکینہ سے کہا۔

"اگر کسی کی آس میں بیٹھی ہو تو اسے بھول جاؤ۔ تمہاری شادی شعور سے ہی ہو گی۔ سن رہی ہو تم۔" وہ چلایا۔ زرین کو اپنی پشت پر اس کے الفاظ صاف سنائی دیے۔ لیکن اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

☼ ☼ ☼

"گاؤں میں ایک تماشا بن گیا ہوں۔ مجھ سے پہلے بات گاؤں کے لوگوں کو پتا چل جاتی ہے۔ مجھے شادی نہیں کرنی۔ اگر وہ راضی نہیں ہے تو آپ سب زبردستی کیوں کر رہے ہیں۔" وہ بیچارگی سے بولا۔

"یہ آئے دن کے تماشے میں نہیں سہہ سکتا۔" اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

"اماں میری پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔ میرا حفظ رہ جائے گا ان تماشوں کی وجہ سے میں نہیں پڑھ پاؤں گا۔ آپ کی اس کے ساتھ نہیں بنتی۔ اور اس کی آپ کے ساتھ۔ ایسے میں کیسے گزارا کریں گی آپ دونوں۔" وہ فردوس کو قائل کرنے لگا۔ بیٹے کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگیں۔

"تم کیا چاہتے ہو کہ وہ مجھے ہرائے اسے ضد ہو گئی ہے کہ وہ میرے بیٹے کی بیوی نہیں بنے گی۔ اس کے سارے ننھیال کی ضد ہے یہ۔ سکینہ کو تو مجھ سے بیر ہے۔ جلتی ہے میری خوشیوں سے۔ میں نے خود سے وعدہ کیا ہے کہ ایک بار اسے تمہاری اترن بنا کر چھوڑوں گی۔" وہ صاف صاف اپنے دل کی بات بتا کر اسے اپنا حتمی فیصلہ سنا گئیں۔

"اماں آپ سب اپنی ضد میں میری زندگی برباد کر دیں گے۔" وہ پریشان تھا لیکن اس کی پریشانی کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"نہیں ہو گا کچھ میری جان" ایک بار یہاں آنے دو دیکھنا کیسے غلام بن کر رہے گی۔ ایک بار اسے یہاں آنے دو پھر دیکھنا۔" اپنی باتوں کا کوئی اثر نہ دیکھ کر وہ بے دلی سے اٹھ گیا۔ فردوس ایک انچ بھی اپنے فیصلے سے ہٹنے کو تیار نہ تھیں۔ ادھر سرفراز شعور سے کہہ رہا تھا کہ وہ شادی سے انکار نا کرے وہ اس کی ہے اور اس کی رہے گی۔ وہ عجیب دوراہے پر کھڑا تھا۔ اس لمحے وہ شدت سے چاہنے لگا کہ کاش اس میں بھی زرین جیسی ہمت و حوصلہ ہوتا۔ وہ بھی اسی شدت سے اپنے موقف پر ڈٹ جاتا کہ اسے زرین سے شادی نہیں کرنی۔ لیکن اپنی شرمیلی اور نیک طبیعت کے باعث وہ خود سے منسلک رشتوں کو کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس کا دل بہت کچھ چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی اچھائی اس کی بدقسمتی بن گئی تھی۔ جوں جوں شادی کے دن قریب آ رہے تھے اس کی بے چینی اور پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"اگر تم سمجھتے ہو کہ اس شادی سے تم لوگوں کی مراد پوری ہو گئی ہے تو یہ تمہاری اور تمہاری ماں کی بھول ہے۔" کمرے میں داخل ہو کر جب اس نے دروازہ بند کیا تو اس کے کانوں میں اس کی آواز آئی۔ وہ دھیرے دھیرے اس کرسی کی طرف بڑھا جہاں بیٹھ کر وہ اسٹڈی کرتا تھا۔ اس نے ٹیبل پر ہاتھ میں موجود رومال رکھ دیا پھر آہستہ آہستہ وہ چلتا اس کے قریب آیا۔ "اب جبکہ شادی ہو گئی ہے تو خواہ مخواہ کی رنجشیں پالنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم بھول جاؤ جو ہوا۔ میں بھی بھول جاؤں گا" اس نے نہایت سلیقے سے بات کی لیکن اس سلیقے کو اس بے دردی سے رد کیا گیا۔

"ہرگز نہیں۔" وہ تنفر سے کہتے ہی اٹھ کر اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"میں نہیں بھول سکتی۔ کیونکہ میں فرشتہ نہیں انسان ہوں۔ اور تم چونکہ فرشتہ ہو اس لیے تم بھول جاؤ۔ تمہاری ماں نے جو چاہا وہ ہوا۔ لیکن میں اس کی یہ حسرت پوری نہیں کروں گی۔ اسے بیٹے کی خوشی دیکھنا نصیب نا ہو گی۔ میں تمہیں شوہر تسلیم ہی نہیں کرتی۔ سنا تم نے، میں تمہیں شوہر تسلیم نہیں کرتی۔" اس کے الفاظ پر اسے اپنے بدن میں الاؤ دہکتا محسوس ہوا۔ جسے دباتے ہوئے وہ بولا۔

"کیا ملے گا فضول کی اس ضد اور لڑائی سے تمہیں۔" وہ اب بھی نرمی اختیار کیے ہوئے تھے۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔ "مجھے یا تمہاری ماں کو۔"

"دیکھو بات سنو میری۔" سمجھانے کو جوں ہی اس نے اس کا ہاتھ پکڑا، وہ ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ کو چھڑا کر چلاتے ہوئے بولی۔

"ہاتھ مت لگانا مجھے۔"

"بات سنو میری۔" طیش کے مارے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی میں تمہاری بیوی نہیں ہوں بس۔" پھر اس نے غصے سے سرخ آنکھیں اس کے چہرے پر جماتے ہوئے اور اس کا بازو دبوچتے ہوئے نہایت سرد آواز میں کہا۔

"تم ایک خود سر اور ضدی لڑکی ہو میں لعنت بھیجتا ہوں تم پر۔" دوسرے ہی پل وہ دروازہ کھول کر کمرے سے نکل گیا۔

کمرے سے تو وہ نکل آیا تھا لیکن اس کے الفاظ کے تیر دل و دماغ پر نقش ہو گئے یہ تیر دل و دماغ میں ایک طوفان بپا کر گئے تھے۔ بیٹھک میں بیٹھا وہ اپنی بدقسمتی کو سوچتا رہا۔ کبھی لیٹ جاتا اور کبھی ٹہلنے لگتا۔ کمرے کی لائٹ آف تھی۔ سوچتے سوچتے اس کا سر پھٹنے لگا۔ ہاتھوں سے سر کو دباتے ہوئے وہ قرات سے سورۃ الناس خود پر دم کرنے لگا۔ پھر کس وقت آنکھ لگی وہ غافل تھا۔ فردوس صبح اذان کے ساتھ ہی اٹھتی تھیں لیکن شادی کے ہنگامے میں تھکن کے باعث وہ دیر سے اٹھیں۔

فردوس نے ناشتا تیار کیا پھر ان کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

"آجاؤ۔" اندر سے بڑی تیز آواز میں کہا گیا۔ ساس کو کمرے میں آتا دیکھ کر اس کے ماتھے پر سلوٹیں ابھریں۔ لباس بدلے وہ تیار تھی۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"شعور کہاں ہے؟" اس کے بگڑتے چہرے پر اک نگاہ ڈال کر سوال کیا۔

"پتا نہیں ہو گا کہیں۔" اس کے لبوں پر ایک دل جلانے والی مسکراہٹ عود آئی۔ اس کے الفاظ نے فردوس کو تپا دیا لیکن وہ کسی اور وقت کے لیے جواب چھوڑ کر نہایت پریشان سی باہر آئیں۔ انھوں نے ہر کمرے میں اسے ڈھونڈا پھر کچھ سوچ کر وہ بیٹھک میں چلی آئیں۔ لائٹ جلا کر انھوں نے بستر پر سوئے شعور کو دیکھا۔ جانے کیوں دل کچھ مضطرب سا ہوا۔ لائٹ کی تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ پھر دھیرے دھیرے آنکھیں کھول کر اس نے پاس کھڑی ماں کو دیکھا۔ پھر وہ کسلمندی سے اٹھ گیا لیکن بدستور خاموش تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ اب اسے کریدیں گی۔ فردوس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سامنے کھڑا کر کے کہا۔

"تم یہاں کیوں سو رہے تھے؟" ان کے سوال کے جواب میں وہ پچھلے چند مہینوں کا جمع شدہ سب کہنا چاہتا تھا لیکن چاہنے کے باوجود صرف یہی کہہ سکا۔

"کیونکہ آپ کی بہو مجھے اپنا شوہر تسلیم نہیں کرتی۔ اماں آپ جیت گئیں وہ جیت گئی میں نے اپنی ہار مان لی ہے۔" اس کے لہجے میں دکھ کا سمندر موجزن تھا۔ یہ کہتے ہی وہ کمرے سے نکل گیا۔

شادی کو ایک ہفتہ ہو گیا پر اس کا روٹھا پن ہنوز قائم تھا۔ ادھر شعور نے لوگوں سے ملنا کم کر دیا تھا۔ ہر آتا جاتا وہی بات لے کر بیٹھ جاتا۔ پہلے تو اشاروں کنایوں میں پوچھتے تھے لیکن اب تو سوالات پھر باقاعدہ نصیحتیں اور مشورے دیے جانے لگے۔ لوگوں کی نظروں میں پوشیدہ سوالات اس کے لیے ہمدردی اور تاسف اسے خود پر ترس کھانے پر مجبور کر رہا تھا۔

"یار! دو چار تھپڑ مار کر دیکھو خود بخود تمھاری غلام بن جائے گی۔"

"یار! کیسے مرد ہو سختی کرو تمھاری اطاعت کرنے لگے گی۔" ہر طرف سے ایسے ہی جملے سننے کو مل رہے تھے۔ لوگوں کی تمسخر بھری باتیں اسے آگ لگا رہی تھیں۔ ذلت بھری باتیں اس کے وجود کا حصار باندھ رہی تھیں۔ وہ ان باتوں کو ذہن سے کھرچ کر نہیں پھینک سکتا تھا وہ ان دیکھی آگ کی بھٹی میں خود کو جلتا دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی توجہ پڑھائی پر مرکوز کرنا چاہتا تھا لیکن دل و دماغ میں لوگوں کی تمسخر بھری نگاہیں ان کے طنز کے نوکیلے نشتر تھے۔

عنایت اللہ شادی کے دو ہفتے بعد ہی چلے گئے تھے۔ جاتے سے انھوں نے بہادر خان سے کہا تھا۔

"بھائی اس کا خیال رکھنا میرا ایک ہی بیٹا ہے وہ کم عمر اور نادان ہے۔ میں اسے غمگین و پریشان نہیں دیکھ سکتا۔" اشک دیکھ کر بہادر خان نے انھیں دلاسا دیا تھا۔

کھلے صحن میں پڑی چارپائی پر لیٹا وہ آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ فردوس اس کے پاس لسی سے بھرا گلاس لے آئیں۔ "بیٹا یہ پی لو۔" وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ان کے ہاتھ سے گلاس لے چکا تھا۔ پھر وہ چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگا۔ "مدرسے نہیں جا رہے تم؟" ان کی بات میں پریشانی چھپی تھی جس پر وہ پریشان ہوئے بغیر بولا۔

"نہیں۔"

"کیوں؟" ماں کے لہجے میں تشویش تھی۔

"کچھ یاد نہیں ہوتا۔" خلا میں تکتے ہوئے وہ بے سدھ نگاہوں سے گلاس انھیں تھما گیا۔ اس کی بات پر ان کا دل دھک سے رہ گیا۔

"یاد کرو گے تو یاد ہو گا نا۔" انھوں نے کچھ نرمی اور پریشانی سے کہا۔

"کہا نا یاد نہیں ہو رہا۔" وہ سختی سے بولتا اٹھ کر جانے لگا۔ زرین گھر میں موجود ہوتے ہوئے بھی نہ تھی۔ سارا دن کمرے سے باہر نہ نکلتی۔ اس نے اس گھر کے کسی بھی فرد کی شکل نہ دیکھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

☆ ☆ ☆

میدان میں لڑکے جمع تھے۔ فٹ بال کا میچ ہو رہا تھا۔ دونوں طرف سے ٹیمیں بنائی گئیں۔

"امپائر شعور ہو گا۔" روز کی طرح آج بھی اسے امپائر بنایا گیا۔ اس کی نیک نیتی پر سب کو بھروسہ تھا اس لیے بلا چوں و چرا سب نے اسے امپائر تسلیم کر لیا۔ وہ نوید کی بات رد نہیں کر سکا اس کی دلچسپی میچ میں نہیں تھی۔ دونوں طرف سے کھلاڑی تیار تھے میچ شروع ہوا۔ ایک ایک گول سے فی الحال میچ برابر تھا۔ ایوب نے جیسے ہی بال کو کک لگائی وہ مطلوبہ حد پار کر گئی۔ لیکن چونکہ ایوب نے شعور کو دھکا دے کر بال چھینا تھا اس لیے شعور نے گول نہ ہونے کا اعلان کیا۔ دوسری ٹیم گول نہ دینے پر خوشی منا رہی تھی جبکہ ایوب نے اس کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا۔ وہ اسے گالی دیتا اس کی طرف آیا۔

"دیکھو گالی مت دو۔ تم نے بال زبردستی چھینا تھا۔" اس نے وضاحت دینی چاہی۔ لیکن بجائے ماننے کے وہ گالیوں پر اتر آیا۔ ایک دو دفعہ اس نے کوشش کی اسے روکنے کی لیکن ایوب نے رکنے کا نام ہی نہ لیا۔ تب کھولتے دماغ کے ساتھ اس نے الٹے ہاتھ سے اس کے منہ پر ایک زور کا تھپڑ رسید کر دیا۔ ایوب نے اپنا ہاتھ اپنے گال پر رکھ دیا۔ اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔

"مرد بنتے ہو تو جاؤ اپنی بیوی کو قابو میں کرو۔ ایک بیوی کو تو سنبھال نہیں سکتے چلے ہو کھیل کے فیصلے کرنے۔" ایوب دہاڑا۔ پھر اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ایک زور کی لات اس کے پیٹ میں ماری۔ پھر لاتوں گھونسوں سے اس نے اس کی خوب درگت بنائی۔ بیچ بچاؤ کرانے والے بھی اسے سنبھال نہ پا رہے تھے۔ نوید پشت کی طرف سے کھینچتے ہوئے اسے دور ہٹایا۔ کچھ لڑکے ایوب کو دوسری سمت لے گئے تھے۔ ایوب کے خون کے دھبے اس کی شرٹ پر بھی پڑ گئے تھے۔ نوید اسے گھر کی طرف لے جانے لگا۔ سارا راستہ وہ خاموش رہا۔ جبکہ نوید اس کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

فردوس نے جب اسے اس حلیے میں دیکھا تو ہول کر رہ گئیں۔ نوید نے مختصر سب بتا دیا تھا۔ وہ ایوب کو کوسنے لگیں ساتھ ہی اس کے چہرے اور ہاتھوں پر زخم دیکھنے کی سعی کرنے لگیں۔ شور پر زرین بھی کمرے سے نکل آئی۔ برآمدے میں بیٹھے شعور کی نظروں سے اس کی نظروں کا تصادم ہوا۔ چند لمحے وہ دیکھتی رہی پھر دوبارہ اندر چلی گئی۔ ماں کے ہاتھ کو جھٹک کر وہ بیٹھک میں چلا گیا وہ دیر سے گھر آنے لگا تھا۔ حسب معمول آج بھی وہ دیر سے آیا تو فردوس نے اسے ٹوکا۔

"کیا چاہتی ہیں آپ گھر نہ آؤں۔" اس کے لب و لہجے پر وہ حیران رہ گئیں۔ ماں کے سامنے سر اٹھا کر بات نہ کرنے والا اب تیز آواز میں جواب دے رہا تھا۔ دروازے کو زور سے لات مار کر وہ گھر سے پھر نکل گیا۔

زرین صحن میں بیٹھی دھوپ سینک رہی تھی۔ ماں بیٹے کی چپقلش پر دل ہی دل میں ٹھنڈک محسوس کرتے ہوئے مسکرا اٹھی تھی۔ اس کی مسکراہٹ فردوس دیکھ چکی تھیں تبھی اس کے پاس آ کر بولیں۔

"اگر میرے بیٹے کو کچھ ہوا نا تو تمھیں چھوڑوں گی نہیں۔" ان کے تنبیہ دیتے لہجے پر وہ استہزائیہ انداز میں ہنستے ہوئے بولی۔

"اچھا۔" پھر توقف کر کے مزید بولی۔

"تم نے میری خوشی میں آگ لگا دی۔ میں تمھاری خوشیوں میں آگ لگا دوں گی۔" لہجے میں نفرت حقارت تھی۔ اسے بالوں سے پکڑ کر فردوس نے اس کا سر چارپائی کے پائے پر پٹخا۔

"پھل دے گی بددعا میرے بیٹے کو۔" اس کے سر سے خون نکل آیا۔ جبکہ فردوس کے نفرت کے شعلے اس کے سر سے رستے خون سے بھی نہ بجھ رہے تھے۔ وہ زور زور سے چیخنے لگی۔ چیخ و پکار سن کر سب جمع ہو گئے۔ بہادر اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ پٹی وغیرہ کروا کر جب وہ واپس آئی تو اس نے دوبارہ اس گھر میں قدم رکھنے سے انکار کر دیا۔ اسے ماں کی مکمل سپورٹ حاصل تھی۔ بہادر چچا نے بھی اسی میں مصلحت جانی کہ جب تک وہ اپنے رویے میں لچک نہیں لاتی اس وقت تک اس کا ماں کے گھر میں رہنا ہی بہتر ہے۔

وہ ماں کے گھر کیا بیٹھ گئی کہ لوگوں کی ہمدردیاں پہلے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

سے زیادہ شعور کے ساتھ بڑھ گئیں۔
"دیکھو بیٹا تم ان لڑکوں کے ساتھ بیٹھنے لگے ہو وہ اچھے نہیں ہیں۔" بہادر خان اسے سمجھا رہے تھے۔ ان کی باتوں پر کان دھرے بغیر وہ وہی کرتا رہا جو وہ چاہتا تھا۔ وہ اب بھی دیر سے گھر آتا تھا۔ ہر آنے والا فردوس کے پاس شکایت لے کر آتا تھا کہ شعور برے لڑکوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ کالج مدرسہ وہ بھول گیا تھا۔ فردوس کو حیرت کا جھٹکا تب لگا جب انہوں نے اسے سگریٹ پیتے دیکھا۔
"سگریٹ پینے لگے ہو تم۔" انہوں نے سوال کیا آنکھیں ماں کے چہرے پر جماتے ہوئے بے خوفی سے بولا۔
"ہاں۔" وہ اس کی بات پر تلملا اٹھیں۔
ایک دن جہاں زیب آیا۔
"چچی جان آپ لوگوں کو تو کوئی پرواہ نہیں۔ شعور بگڑتا جا رہا ہے۔"
"میں کیا کروں کچھ سمجھ ہی نہیں آتی۔" وہ دل گیر لہجے میں کہہ کر زرین کو کوسنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

دلاور جمشید اور حفیظ کا انتظار کرتے کرتے وہ جب بے زار ہو گیا تو تنگ آ کر اس نے واپسی کی راہ لی۔ سڑک کراس کر کے دائیں جانب واقع گھر کی دیوار سے ٹیک لگا کر اپنے ہاتھ سینے پر باندھے وہ آتے جاتے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ دو لڑکیاں کسی بات پر ہنستے ہوئے پاس سے گزرنے لگیں۔ وہ بڑی بے باکی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس قدر بے باکی سے دیکھنے پر وہ دونوں آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ بولیں۔ پھر ان میں سے ایک غصے بھرے انداز میں مخاطب ہوئی۔
"شرم نہیں آتی لڑکیوں کو اس طرح گھورنے پر۔ بیچ سڑک میں کھڑے ہر ایک کو تاک رہے ہو۔" ان کی بات پر شرمندہ ہونے کی بجائے وہ بڑی ڈھٹائی سے بولا۔
"آنکھیں میری ہیں چاہے تمہیں دیکھوں یا کسی کو بھی اتنا ہی پردہ کرتی ہو تو گھر پر رہو۔ باہر مت نکلو۔" اس کی ڈھٹائی پر وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ وہاں موجود تینوں عورتیں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھیں۔ ان کی حیرت دیدنی تھی۔ کل تک کسی عورت "لڑکی کو دیکھ کر سر جھکانے والا اب سر اٹھا کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے خود کو حق بجانب سمجھ رہا تھا۔ اسے پتہ تھا کہ یہ بات کل پورے گاؤں میں پھیل جائے گی لیکن اس کے باوجود اسے کوئی پروا نا تھی۔ اس کی حرکتوں کی خبر فردوس تک پہنچتی گئی۔ بہادر خان زرین کو راضی کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ شعور کو جب پتا چلا کہ وہ زرین کو راضی کر رہے ہیں تو اس نے زمین آسمان ایک کر دیا۔
"اگر اس گھر میں اس کا ذکر ہوا تو میں خود کو مار ڈالوں گا۔ اگر کوئی اسے لایا تو۔۔۔ یہاں نہیں آئے گی وہ۔ پہلے وہ راضی نہیں تھی اب میں راضی نہیں ہوں۔" بہادر خان گہری سوچ میں پڑ گئے تھے۔
"فی الحال رہنے دو کچھ عرصے میں دونوں کی عقل ٹھکانے آ جائے گی۔"

☼ ☼ ☼

ندی کے کنارے بیٹھا وہ اپنے کالج اور مدرسے کے دوستوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ سب کو پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اس کی نظریں امرود کے باغ میں امرود توڑتی پلوشہ پر پڑیں۔ تب وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔ جوں ہی پلوشہ کی نظر ندی کے کنارے بیٹھے شعور پر پڑی وہ اس کے پاس چلی آئی۔
"کھاؤ گے؟" اس کے ہاتھ میں امرود تھے۔ اس نے اس کے ہاتھ سے امرود لے لیا۔
"اچھے لگ رہے ہو۔" وہ بے باکی سے بولی۔ وہ اس پر اک گہری نگاہ ڈال کر بولا۔
"وہ تو ہمیشہ تمہیں لگتا ہوں۔" وہ قہقہہ لگا کر بولی۔
"بالکل بدل گئے ہو۔ کہاں گئی وہ تمہاری شرم" ہنسنے لگی۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کرنے لگے۔ پلوشہ اس کی بے رونق زندگی میں رنگ بھرنے آئی تھی۔ وہ

رنگوں کا سواگت کرنے لگا۔ وقت دھیرے دھیرے سرک رہا تھا۔ سرکتے لمحات کو روکا نہیں جا سکتا تھا وہ ان نئی راہوں پر چل رہا تھا۔ سارا سارا دن گھر سے غائب رہتا۔ راتوں کو دیر سے گھر آتا۔ ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتا ہر وقت چہرے پر تلخی لیے اپنے اندر کا زہر کسی نا کسی پر نکال دیتا۔
حالات جوں کے توں تھے۔ زرین اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تھی نا وہ اسے برداشت کرنے کو تیار تھا۔ طلاق نا گھر کے بڑے چاہتے تھے نا شعور۔ شعور نے اسے طلاق دینے سے واضح انکار کیا تھا۔ اس کی اس جرات پر گاؤں میں واہ واہ ہوئی تھی۔ وقت کٹ رہا تھا اور اس کٹتے وقت کی رفتار کا اندازہ کسی کو نا ہو سکا۔ اس رفتار کو بریک عنایت اللہ کے آنے سے لگا۔ بہادر خان نے یکے بعد دیگرے کئی مرتبہ فون کر کے انہیں پاکستان آنے کا کہا تھا۔ شعور کی بری صحبت سے نالاں تھے۔ بیٹے کی پریشانی باپ کو لاحق تھی۔ اس لیے وہ فوراً پاکستان چلے آئے۔ سب کی زبان سے بیٹے کے بارے میں سن کر صحیح معنوں میں وہ تشویش سے دوچار ہو گئے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے انہوں نے بہادر خان کے ذریعے زرین کو ایک دفعہ پھر قائل کرنے کا سوچا۔ انہوں نے خود شعور سے بات کی۔ باپ کی بات سنتے ہی وہ تپتے سے اکھڑ گیا۔
"اگر اسے اس گھر میں لایا گیا تو میں خود کو مار ڈالوں گا۔ جتنی بے عزتی ہونی تھی وہ ہو گئی میری۔ جتنا سہنا تھا سہہ لیا میں نے اب اور نہیں۔"
جب کوئی بات نا بنی تو بالآخر عنایت اللہ نے ایک فیصلہ کر لیا۔ اس فیصلے میں زیادہ عمل دخل فردوس کا تھا۔ وہ اپنے بھائیوں کے پاس گئے تاکہ انہیں اپنے فیصلے سے آگاہ کر سکیں۔
"میرا ایک ہی بیٹا ہے اور وہ بگڑ گیا ہے مزید بگڑ رہا ہے۔ اگر میں زرین کو یہاں لاتا ہوں تو وہ جان لینے کی بات کرتا ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں اس کی شادی کر دوں۔ شاید کہ وہ سدھر جائے۔" صندل خان نے [illegible] سے اعتراض کیا تو عنایت اللہ بولا۔
"معاف کیجیے پر بھائی آپ کی بیٹی کسی صورت ماننے والی نہیں ۔۔۔ چار سال سے ہم آپ یہی کہتے اور سوچتے آ رہے ہیں کہ وہ مان جائے گی۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ اگر زرین کبھی راضی ہوئی تو میں شعور کو مجبور کر لوں گا کہ وہ اسے بھی ساتھ رکھے۔ شاید تب تک شعور بھی ان تلخ یادوں کو بھول چکا ہو۔" صندل خان ایک بار پھر چپ کا قفل توڑتے ہوئے بولے۔
"عنایت اللہ کچھ انتظار بھی تو کیا جا سکتا ہے۔"
"نہیں اس انتظار کی بھٹی میں میں اپنے بیٹے سے ہاتھ نہیں دھو سکتا۔ چار سال کے انتظار سے سارا نقصان میرا ہی ہوا ہے۔" حتمی و قطعی لہجے میں کہہ کر عنایت اللہ اٹھ گئے۔
"تم لوگ مخالفت کرو یا حمایت۔ میں اپنے بیٹے کی بات چند دنوں میں طے کرنے جا رہا ہوں۔" فردوس نے اپنی بھتیجی کے لیے عنایت اللہ کو راضی کر لیا تھا۔ شہر جانے سے پہلے انہوں نے اسے اپنے کمرے میں بلایا۔ وہ کمرے میں چلا آیا۔ باپ کو سلام کر کے یوں کھڑا ہوا جیسے بہت ضروری کام سے جانا ہو۔
"دو گھڑی بیٹھنے کو وقت ہے تمہارے پاس۔" طنز کی ڈوبی آواز پر وہ چارپائی کی طرف بڑھا۔ جس پر آف

زندگی کی تلخ حقیقتوں سے گندھی' آپ بیتیاں 'جگ بیتیاں .... سچی داستانوں پر مشتمل

عمران ڈائجسٹ

تازہ شمارہ شائع ہوگیا ہے۔

آپ بھی اپنی زندگی سے متعلق کوئی سچا واقعہ' کہانی لکھ کر ہمیں بھجوائیں' ہم اس کی نوک پلک سنوار کر اسے عمران ڈائجسٹ کی سچی داستانوں کی زینت بنائیں گے۔

انچارج شعبہ "سچی داستانیں"
ماہنامہ عمران ڈائجسٹ' 37 ۔ اردو بازار' کراچی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

وائٹ چادر بچھائی گئی تھی۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ بولے۔
"ہم تمہاری شادی کا سوچ رہے ہیں۔" اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔
"شادی کیوں؟" اگلے پل تیوری چڑھا کر اس نے پوچھا۔
"تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔" ان کی آواز میں نرمی تھی۔
"بہتر تو میرے لیے پہلی مرتبہ بھی تھا کیا ہوا اس کا؟" اس کے طنز کو نظر انداز کر کے وہ پھر سے بولے۔
"تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم شادی کر لو۔"
"میں شادی نہیں کر سکتا۔" وہ اٹھ گیا۔
"تمہیں آوارہ گردی کی عادت پڑ گئی ہے۔ ایسے میں تم شادی کیوں کرو گے۔" قہر برساتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ اس کے قریب آئے۔ کچھ پل وہ باپ کی نگاہوں میں جھانکتا رہا پھر بولا۔
"اگر اس شادی کا انجام بھی پہلے جیسا ہوا تو۔" فردوس کا سوال دل پر برچھی کی طرح لگا۔
"ضروری نہیں۔" باپ کی آواز میں تلخی تھی۔
"فرض کریں ایسا ہوا تو۔" پھر اگلے ہی پل خود ہی بولا۔
"پھر میری تیسری شادی ہاں اگر وہ بھی ناکام۔"
"تمہاری فضول کی بکواس مجھے نہیں سننا۔ اگر تم یہ شادی نہیں کرتے تو تمہیں زرین کو واپس گھر لانا ہوگا۔ یا پھر تمہیں یہ شادی کرنا ہوگی۔" انہوں نے جو شرط رکھی اس پر وہ ذرا کچھ سوچ کے بولا۔
"میں شادی کو تیار ہوں لیکن کس سے کروا رہے ہیں آپ میری شادی۔" اس کا لہجہ اس پل طنز میں ڈوبا ہوا تھا۔
"تمہارے ماموں کی بیٹی سے۔" وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔ خشمگیں نگاہوں سے دیکھنے لگے۔
"کیوں ہنس رہے ہو۔" انہوں نے ناگواری سے ٹوکا۔
"میں آپ لوگوں کی خوش فہمی پر ہنس رہا ہوں آپ کے بیٹے کو ایک ان پڑھ لڑکی رد کر چکی ہے اور شہر کی ایک پڑھی لکھی لڑکی اسے قبول کرے گی۔ میرا نام سن کر وہ کس طرح بھڑکے گی اس کا مظاہرہ آپ وہاں جا کر دیکھ لیں گے۔ بہرحال زرین نہیں کوئی بھی ہو میں اسے برداشت کر لوں گا۔" اس کے جاتے ہی عنایت اللہ بیوی سے بولے۔
"دیکھا کیسے اکڑ اکڑ کر بول رہا تھا۔ اس قدر ہٹ دھرم اور بدتمیز ہو گیا ہے۔" عنایت اللہ کے الفاظ میں کروٹ لیتا دکھ فردوس کی آنکھوں میں دھند بن کر رہ گیا تھا۔
بہن نے بھائی کے آگے جھولی پھیلائی بھائی کو بہن سے بے پناہ محبت تھی کیونکہ دنیا میں اس کا واحد رشتہ تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر کہا۔
"شعور اچھا لڑکا ہے۔ بس ذرا سا بھٹک گیا ہے۔ میں اللہ پر بھروسہ کر کے اپنی بیٹی تمہارے بیٹے کو سونپ رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ تم لوگ اسے خوش رکھو گے باقی اللہ کی مرضی۔" اس کے الفاظ پر وہ دونوں بے فکر ہو گئے۔
سبحان اور فردوس، بہن بھائی تھے ان کا دنیا میں کوئی اور نہ تھا۔ ماں باپ انتقال کر گئے تھے سبحان کی شہر میں کپڑے کی دکان تھی۔ ان کی دکان اچھی خاصی چلتی تھی۔ روپے پیسے کے لحاظ سے وہ خوشحال زندگی گزار رہے تھے۔ ان کی دو بیٹیاں اور چار بیٹے تھے۔ بیٹیاں بڑی تھیں ان میں سے ایک کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔
جمعہ کو عصر کے وقت نکاح ہوا۔ سادگی سے رخصتی بھی اسی دن کر دی گئی۔ جہیز میں اسے ہر چھوٹی بڑی چیز دی گئی تھی۔ گاؤں کی عورتیں اس کی ایک جھلک دیکھنے چلی آئیں۔ وہ سب تجسس کے ہاتھوں مجبور تھیں وہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ پہلی ان پڑھ بیوی کے ریجیکٹ کرنے کے بعد شہر کی ایک پڑھی لکھی لڑکی نے اسے کیونکر قبول کیا۔
رات کو بہت دیر سے کمرے میں اس کی آمد ہوئی۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی اس لیے نیم دراز تھی اس کے کمرے میں داخل ہونے پر فوراً سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ لیکن وہ اس کے پاس نہیں آیا سیدھا واش روم

میں گھس گیا۔ ان دونوں کا سامنا کئی بار ہو چکا تھا۔ وہ بچپن میں ماموں کے گھر جاتا تھا شادی کے بعد تو یہ جانا نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ آج اس نے اسے چار سال بعد دیکھا تھا۔ اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی شادی شعور سے ہوگی وہ اس کی دوسری بیوی بنے گی۔ جب یہ خبر اسے اپنی ماں کے ذریعے ملی تو کچھ دیر کے لیے تو بالکل سکتے میں رہ گئی تھی۔ لیکن ماں باپ کی عزت کی خاطر وہ یہ کڑوا گھونٹ پی گئی تھی۔
کپڑے تبدیل کر کے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور اپنے بال بنانے لگا۔ وہ اس کے عجیب و غریب رویے کو سوچتی رہی۔ بیڈ پر بیٹھی زبان کچھ اداس ہوتی رہی۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اس کے پاس آیا۔
"اٹھو۔" وہ دل ہی دل میں حیرت زدہ رہ گئی۔ اس کے اٹھتے ہی وہ بیڈ پر لیٹتے ہوئے دوسرا تکیہ اس پر پھینک کر بولا۔
"یہ لو اور کہیں بھی جا کر سو جاؤ۔" خود وہ کمبل میں منہ ڈھانپ کر سونے لگا۔ اس کی بدتمیزی پر وہ جھلس گئی۔ کچھ دیر تک تو وہ ناسمجھی کی کیفیت میں جلا رہی۔ پھر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ جب نکلی تو لباس تبدیل ہو چکا تھا۔ تکیہ وہ نیچے کارپٹ پر رکھ کر سونے لگی۔ اس رات اسے حقیقتاً اپنی بدقسمتی پر یقین آ گیا۔
ساس اور ماں کے سامنے خود کو خوش ظاہر کر کے اس نے مطمئن تو کر دیا لیکن خود اتنی ہی مضطرب تھی۔ اضطراب کی وجہ اس بات کا خوف تھا کہ اگر حقیقت ان پر عیاں ہو گئی تو کیا ہو گا۔ پھر سب کچھ اللہ پر چھوڑ کر وہ مطمئن سی ہو گئی۔ اس کی ساس بات بات پر اس سے شعور کے بارے میں پوچھتی رہتی اور وہ ٹھیک ہے کہہ کر بات گول کر جاتی تھی۔ شعور اب بھی دیر سے گھر آتا تھا۔ شادی کو ڈیڑھ ماہ ہونے کو آیا وہ اب بھی اپنی روٹین جاری رکھے ہوئے تھا لیکن آج اس کی شامت آ گئی۔ عنایت اللہ غصے میں باہر برآمدے میں ٹہل رہے تھے پھر
کچھ سوچ کر ان کے کمرے میں چلے گئے۔ زبان کوئی میگزین پڑھ رہی تھی انہیں اپنے کمرے میں آتا دیکھ کر میگزین رکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ عنایت اللہ بیڈ کے کنارے بیٹھ گئے۔ پھر وہ زبان سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ زبان جان گئی تھی کہ وہ کس مقصد کے لیے آئے ہیں اس لیے اس کے دل میں خوف کے گہرے بادل منڈلا رہے تھے۔
ان کی باتوں کے دوران ہی وہ چلا آیا۔ ایک نظر زبان پر ڈال کر وہ دھیرے دھیرے بیڈ کی طرف بڑھا۔ جہاں عنایت اللہ بیٹھے ہوئے تھے۔ بیڈ پر بیٹھ کر وہ اپنے جوتے اتارنے لگا۔
"کہاں سے آ رہے ہو اس وقت۔" گھڑی دیکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔
"دوستوں کے پاس تھا۔" جواب دے کر وہ جوں ہی کھڑے ہو کر رخ موڑنے لگا انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے سامنے کھڑا کر کے کہا۔ "راتوں کو دیر سے گھر مت آیا کرو۔ اس لیے بیاہ کر نہیں لایا میں اسے کہ تم آوارہ گردی کرتے رہو گے اور یہ۔۔۔ آئندہ مجھے تم سے کچھ نہ کہنا پڑے۔" اس کا ہاتھ زور سے جھٹکتے ہوئے کہا اور چلے گئے ان کی آنکھوں میں اس کے لیے کتنی اجنبیت تھی وہ بدل گیا تھا یا اس کا باپ وہ دل ہی دل میں باپ سے شکوہ کرنے لگا۔ وہ خوف زدہ سی اسے دیکھ رہی تھی۔ اب شعور کی نظروں کا انداز بدل گیا۔ نگاہیں اس کے چہرے پر جما کر وہ بڑے درشت لہجے میں بولا۔
"تم نے کی شکایت۔" وہ اس پر برسنے کو تیار تھا۔
"نہیں۔" اس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔
"تو کیوں پوچھ رہے تھے وہ۔" اب کے وہ تیز آواز میں بولا۔
"پتہ نہیں۔" اس کی آواز یکدم بھر آئی اور اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔
"دفع ہو جاؤ میرے سامنے سے۔" وہ چلایا۔ وہ باہر جانے لگی۔
"کہاں جا رہی ہو۔" اسے کمرے سے نکلتے دیکھ کر

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

وہ ایک بار پھر چلایا۔
"آپ نے خود ہی کہا کہ۔۔۔"
"چائے بنا کر لاؤ میرے لیے سر میں درد ہے۔" حکم دے کر وہ بستر پر لیٹ گیا وہ نم آنکھیں لیے کچن میں چلی گئی۔

عنایت اللہ جب تک گھر پر رہے وہ رات کو جلدی گھر آتا تھا۔ ان کے دبئی واپس جانے کے بعد اس نے پھر سے پرانی روش اختیار کرلی۔ وہ زبان کے سامنے سگریٹ پیتا تھا بہت چاہنے کے باوجود بھی وہ اسے کچھ کہنے کا حوصلہ خود میں پیدا نہ کرسکی۔

لائٹ بلیو کلر کے راسلک کا سوٹ پہنے وہ ہلکا ہلکا میک اپ کر رہی تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹا رسالہ دیکھ رہا تھا اسے تیار ہوتے دیکھ کر بولا۔
"کہیں جانا ہے تمہیں؟" آواز میں برف جیسی سختی تھی۔

اس کے سخت الفاظ پر اس کا حرکت کرتا ہاتھ رک گیا اگلے ہی پل وہ تیزی سے اٹھ کر باتھ روم میں چلی گئی اچھی طرح منہ دھو کر تولیے سے خشک کر کے نکل آئی۔ اس کے دھلے چہرے پر اک نگاہ ڈال کر وہ پھر سے رسالے میں گم ہو گیا۔

وہ بہت کم بولتا تھا۔ اماں اس کے بارے میں تھوڑا تھوڑا اسے بتایا کرتی تھیں کہ پہلے وہ ایسا تھا اب ایسا ہو گیا ہے۔ پہلے یہ کرتا تھا اب یہ کرتا ہے پہلے اس نے ہمیشہ اس کے بارے میں ہر کسی سے اچھے ریمارکس ہی سنے تھے اور وہ خود بھی بطور کزن اسے پسند کرتی تھی۔ وہ بہت نیک و شریف انسان تھا سبحان بھی اس سے پیار کرتے تھے وہ اپنے بھانجے کو بہت چاہتے تھے۔ لیکن اب جس شعور کو وہ دیکھ رہی تھی وہ بہت بدل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

دو کنال پر مشتمل ایک کشادہ گھر تھا۔ چھ کمرے ایک کچن کمروں کے آگے برآمدہ جس کے اونچے اونچے ستون تھے ایک بڑا صحن۔ دیواروں کے ساتھ بنی کیاریوں میں امرود، آلوچے لیموں کے درخت گلاب اور مختلف قسم کے پھول تھے گھر کے دوسرے کونے پہ بیٹھک بنائی گئی تھی جہاں مہمان بیٹھتے تھے۔

صبح سے بارش ہو رہی تھی۔ تیز بارش میں پودے درخت نکھر گئے تھے۔ مٹی کی خوشبو روح کو تروتازہ کر رہی تھی۔ وہ برآمدے میں کھڑی اس حسین موسم سے لطف اندوز ہو رہی تھی کبھی کبھار تیز ہوا کا جھونکا بدن سے ٹکراتا تو پورے جسم میں سرد لہر دوڑ جاتی۔ دونوں ہاتھ اپنے گرد باندھے وہ قدرت کی اس حسین نعمت کو اپنی آنکھوں میں محفوظ کر رہی تھی۔ بڑے زور کی بجلی چمکی۔ بادلوں کی گرج چمک سے وہ ہمیشہ ڈرتی تھی اب بھی ڈر کر پیچھے ہو گئی۔
"کوئی کام نہیں ہے تمہیں؟" پشت پر سے آئی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے وہ اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
"سارا دن ادھر ادھر پھرنے کے علاوہ کچھ آتا ہے تمہیں۔" وہ سر جھکائے ستون سے ٹیک لگا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔
"ادھر دیکھو میری طرف۔" وہ اونچی آواز میں بولا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس نے اپنی آنکھیں چند سیکنڈز کے لیے اس کے چہرے پر جما دیں لیکن جلد ہی ہٹا بھی دیں۔
"جاؤ چائے بنا کر لاؤ میرے لیے۔" اس کے حکم پر وہ فوراً بولی۔ "سلنڈر میں گیس ختم ہو گئی ہے۔"
"تو آگ نہیں جلا سکتیں تم۔" وہ اس پر برس پڑا۔
"مجھے آگ جلانی نہیں آتی۔" ندامت سے کہتے ہوئے وہ کچن کی طرف جانے لگی جب اسے اس کی آواز سنائی دی۔
"رہنے دو۔" وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔
حسین موسم کی ساری دلچسپی ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ شخص نا خود خوش رہتا تھا نا دوسروں کو خوش رہنے دیتا تھا۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اسے دل کھول کر سنائے۔
برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی وہ اماں کے ساتھ باتوں میں مگن تھی۔ فردوس پالک صاف کر رہی تھیں ساتھ ہی کسی رشتے دار کے ہاں ہونے والی شادی کا احوال بھی سنا رہی تھیں۔ شعور کیاری کے پاس بیٹھا پودینا اور دھنیا اکھاڑ کر زمین پر ڈھیر کر رہا تھا۔
"ارے یہ کیا کر رہے ہو؟" ان کی نظر پڑی تو چلا کر بولیں۔
"ہزار مرتبہ کہا ہے کہ یہ یہاں مت بویا کریں سونی!" وہ بہن کو آواز دینے لگا۔ وہ دوڑتی ہوئی اس کے پاس آئی۔
"یہ ادھر پھینک آؤ۔" پودینا اور دھنیا اس کے حوالے کر کے وہ گھاس اکھیڑنے لگا۔
"دیکھا تم نے کیسا کھلا کھلا پودینا اکھاڑ پھینکا اس نے۔" وہ تاسف سے بولیں۔ ہاتھ جھاڑ کر وہ قریب آ کر ماں کے پاس تخت پر بیٹھ گیا۔
"تم کیوں ایسے ڈھلے منہ پھرتی ہو۔ شادی کو کچھ ہی عرصہ ہوا ہے میک اپ کیا کرو۔ یہی دن ہوتے ہیں پھر تو بندہ کام کاج میں ایسا جت جاتا ہے کہ۔۔۔" دونوں کی نظروں کا تصادم ہوا۔ شعور نے پالک کا پتہ اٹھایا اور اس کے ٹکڑے کرنے لگا۔
"اماں کچھ لوگوں کو میرا میک اپ کرنا اچھا نہیں لگتا۔" شعور کے پتا نوچتے ہاتھ یکدم رک گئے۔ بغیر دیکھے بھی اسے احساس ہوا کہ وہ ہنس رہی ہے۔
"ارے کن لوگوں کو اچھا نہیں لگتا جنہیں اچھا نہیں لگتا وہ یہاں مت آیا کریں۔ جلتے ہیں تم سے۔" اماں کی بات پہ وہ کھلکھلائی۔ شعور نظریں اٹھا کر اسے سپاٹ نظروں سے دیکھنے لگا۔ فردوس باورچی خانے چلی گئیں تب وہ دھیرے سے بولا۔
"آپے میں رہو۔"
"آپے میں ہوں ورنہ اماں کو سچ بتا دیتی۔"
"کیا بتاتیں تم۔" اس کے لہجے کی درشتی کو کسی خاطر میں لائے بغیر وہ کافی بے نیازی دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا فردوس آ گئیں۔
"بیٹا کل صبح اسے اس کی ماں کے گھر لے جانا بہت دن ہوئے ہیں اسے وہاں گئے۔" ابھی ان کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ وہ دو ٹوک انداز میں انکار کرتے ہوئے بولا۔
"میں نہیں لے جا سکتا۔"
"تم نہیں لے جاؤ گے تو کون لے جائے گا۔"
"جہانزیب سے کہہ دوں گا۔" اس نے چچازاد بھائی کا نام لیا۔
ان کی باتوں کے دوران وہ بالکل خاموش تھی۔
رات کو وہ بیگ تیار کر رہی تھی۔ وہ کمرے میں موجود تھا۔
"کس کے ساتھ جا رہی ہو۔" اس کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے وہ گویا ہوا۔
"جہانزیب کے ساتھ۔" کورا جواب دے کر وہ سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔
صبح اس کی تیاری کے دوران کھٹ پٹ کی آواز سے وہ جاگ گیا تھا اسے کمرے سے جاتا دیکھ کر وہ جلدی سے بستر چھوڑ کر باہر چلا آیا۔
"سنو!" وہ برآمدے میں چلا آیا۔
"چائے بناؤ میرے لیے میں تیار ہوتا ہوں پھر چلیں گے۔" حکم کر وہ کمرے میں چلا گیا۔
"میرا بیٹا دل کا برا نہیں بس حالات نے۔۔۔" فردوس نے بات ادھوری چھوڑ دی جبکہ وہ کچن میں چائے بنانے چل دی۔ جب وہ چائے لے کر گئی تو وہ کپڑے تبدیل کر کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بالوں میں برش کر رہا تھا۔
"چائے۔" اس کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا۔ اور کپ اس کے ہاتھ سے تھام لیا۔ اس پر اک نگاہ ڈال کر وہ چائے پینے لگا۔
"میں شعور سے گاڑی نکالنے کا کہتا ہوں تم تب تک انتظار کرو۔" کپ اسے تھما کر وہ کمرے سے نکل گیا۔ کچھ دیر بعد گاڑی آئی تو وہ دونوں شہر چلے گئے۔
عمارہ، سعد، شہریار، شرجیل اور ابوبکر ان سب سے ملاقات شام کو ہوئی تھی۔ کیونکہ صبح وہ اسکول کالجز میں تھے اور لنچ کے بعد وہ خود سو گئی تھی اس لیے اس کے جاگنے پر ہی ان سب سے ملاقات ہو سکی تھی۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

عمارہ اور سعد کالج جاتے تھے وہ دونوں ایک ہی کالج میں پڑھتے تھے۔ عمارہ فورتھ ایئر جبکہ سعد فرسٹ ایئر میں تھا۔ شہیار اور شرجیل بالترتیب آٹھویں اور چوتھی کلاس میں تھے۔

رات کو لاؤنج میں بیٹھی وہ سب کے ساتھ ٹی وی پر فلم دیکھ رہی تھی۔ امی رات کے لیے کھانا تیار کر رہی تھیں وہ امی کا ہاتھ بٹانے کے خیال سے کچن میں چلی آئی۔ لیکن امی نے اسے واپس لاؤنج میں بھیج دیا۔ کچھ سوچ کر وہ امی کے کمرے میں چلی آئی۔ بیڈ پر بیٹھ کر اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے ٹیلی فون سیٹ کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیا۔

"ہیلو۔" خنک سردی آواز ایئر پیس سے ابھری۔

"السلام علیکم!" اس نے سلام کیا۔ دوسری طرف سے سلام کا جواب دیا گیا۔

"کیسے ہیں آپ؟" دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔

"آپ سے بات کر رہی ہوں کیسے ہیں آپ؟"

ایک بار پھر سے وہ سوال دہراتی بولی۔

"فون کیوں کیا؟" جواب کی بجائے سوال کرتے ہوئے اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"ایسے ہی آپ سے بات کرنے کے لیے۔"

"کیوں کیا واپس نہیں آنا تم نے۔" اس کے الٹے سیدھے سوال اسے تپا رہے تھے۔

"کیا فون واپس نا آنے کی صورت میں ہی کیا جاسکتا ہے ویسے منع ہے۔" اس نے نا چاہتے ہوئے بھی اپنا لہجہ نارمل رکھا۔

"کال صرف مجھے کر رہی ہو یا دس جگہ گھما چکی ہو۔" مزید سننے کی تاب اس میں نا تھی اس لیے اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ اور خود کو کوسنے لگی۔ آخر ضرورت ہی کیا تھی اسے فون کرنے کی۔ اس کی بلا سے چاہے وہ ساری عمر روٹھی رہے۔ یکدم فون کی بجنے والی بیل نے اسے سوچوں سے نکالا۔ دوسری بیل پر ہی اس نے تیزی سے ریسیور ہاتھ میں لے کر ہیلو کہا۔ اسے توقع نہ تھی کہ دوسری طرف وہی ہوگا۔

"فون کیوں بند کیا تم نے۔" وہ دہاڑا۔

"جب آپ کو بولنے کی تمیز آئے تب ہی بات کروں گی آپ سے۔" اس نے ریسیور بجائے کریڈل پر رکھنے کے ٹیبل پر رکھ دیا اور کمرے سے نکل آئی۔

سبحان کے آنے پر کھانا لگا دیا گیا۔ کھانا کھانے کے بعد امی عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی گئیں جبکہ وہ سب کے لیے چائے بنا کر لاؤنج میں چلی آئی سبحان اپنا کپ اٹھا کر کمرے میں چلے گئے۔ باقی سب کو کپ تھما کر وہ اپنا کپ لے کر صوفے پر بیٹھ کر چائے کے سپ لینے لگی۔ جب لاؤنج کا دروازہ کھول کر کوئی اندر داخل ہوا۔ آنے والے کو دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نا آیا۔ بے دھیانی میں اس نے اپنا کپ ساتھ بیٹھی عمارہ کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ سب نارمل تھے لیکن وہ نارمل نہیں تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ رات کے اس وقت وہ صرف اور صرف ضد میں چلا آیا ہے۔ سب کے سلام کا اس نے بڑے تکبرانہ انداز میں جواب دیا۔

"بیٹھیں نا شعور بھائی۔" عمارہ نے اسے صوفے پر بیٹھنے کو کہا۔ ایک سلگتی نظر اس پر ڈال کر وہ بیٹھ گیا۔

"کہاں ہیں ممانی؟" اس نے عمارہ سے پوچھا۔

اس کے سوال پر کھڑی زبان کا دل دھڑک اٹھا۔

"میں کھانا لگاتی ہوں۔"

"چائے پلاؤ" وہ کچن میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد وہ کچن میں چلا آیا۔ وہ فریج سے دودھ کا پیکٹ نکال کر مڑی اسے دیکھ کر خاموشی سے کوکنگ رینج کی طرف بڑھی۔ اگلے پانچ منٹ وہ چائے بنانے میں مصروف تھی۔ وہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے اسے سخت برہم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ پھر دو قدم آگے بڑھ کر اس نے اس جامد سکوت کو توڑا۔

"مجھے ضد دلاؤ گی تو روؤ گی" پشت پر سے آتی آواز پر پلٹ کر دیکھنے کی ہمت وہ خود میں نہیں پیدا کر سکی تھی۔ اسی وقت وہ حقیقی معنوں میں خوف زدہ تھی۔ ذرا سی بات پر رات کے وقت صرف ضد میں چلے آنا در حقیقت ایک نارمل ذہن کا اقدام تھا ہی نہیں۔

"بات کیوں نہیں کی تم نے مجھ سے؟" وہ چپ رہی۔

"تم سے کہہ رہا ہوں بات کیوں نہیں کی مجھ سے؟" چائے کپ میں انڈیل کر وہ کپ تھام چکی تھی۔

"پلیز اس وقت میں بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس نے بڑے زور سے اس کے ہاتھ میں پکڑے کپ کو اپنے ہاتھ سے پرے اچھالا۔ کپ ایک چھناکے سے ٹوٹ گیا۔ وہ ہراساں نظروں سے کبھی اسے دیکھ رہی تھی اور کبھی ٹوٹے کپ کی کرچیوں کو۔ اس دوران یاسمین چلی آئیں۔

"عمارہ نے بتایا کہ تم آئے ہو۔" ان کی نظریں ٹوٹے کپ پر پڑیں۔

"یہ کیسے ٹوٹ گیا۔" چائے کے چھینٹے فرش پر پڑی تھی۔

"امی غلطی سے مجھ سے۔"

"کوئی بات نہیں تم شعور کو لے کر کمرے میں جاؤ میں بنا دیتی ہوں۔" "نہیں" بھیج کر وہ خود چائے بنانے لگیں۔ وہ اسے عمارہ کے کمرے میں لے آئی جو پہلے ان دونوں کا مشترکہ تھا۔

"آج تو تم نے بہانہ بنا لیا۔ آئندہ میں تمہیں بہانے بنانے نہیں دوں گا۔ اگر تم نے مجھے اس طرح ضد دلائی تو۔ اپنا بھرم ورم سب بھول جاؤ گی۔" وہ خاموش رہی۔ وہ اپنی حرکت پر سخت نادم ہو گئی تھی۔ کیا ضرورت تھی سانپ کی پٹاری میں ہاتھ ڈالنے کی۔ وہ خود کو کوسنے لگی۔ یاسمین چائے بنا کر لے آئیں۔ اس دوران سبحان بھی آکر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں باتیں کرنے لگے جب کہ امی زبان سے بچوں کے اسکول، کالجز کے مسائل ڈسکس کرنے لگیں۔ سبحان کے سامنے وہ نہایت سعادت مند بنا رہتا تھا۔ کافی دیر کی گپ شپ کے بعد سبحان اٹھتے ہوئے بولے۔

"اب تم بھی سو جاؤ۔ دیر ہو گئی ہے۔" وہ کمرے میں چلے گئے۔ اس نے سبحان سے جھوٹ بولا تھا کہ اسے ایک ضروری کام سے شہر آنا پڑا تھا۔ اور اس کے جھوٹ پر انہوں نے یقین کر لیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد وہ زبان سے بولا۔

"فون لے آؤ۔" وہ خاموشی سے اٹھ کر فون اٹھا کر لے آئی۔ اس نے ٹائم دیکھا رات کے بارہ بج رہے تھے۔ نمبر ڈائل کرنے کے ساتھ وہ بیڈ کی پائنتی کے پاس کھڑی زبان سے ترشی سے بولا۔

"یہاں کیوں کھڑی ہو جاؤ۔" چند لمحے اس کی طرف وہ دیکھتی رہی اور پھر جانے لگی اسے پتہ تھا کہ وہ کسے فون کر رہا تھا۔

وہ اور سونی رخسار کے گھر جا رہی تھیں راستے میں انہیں کچھ فاصلے پر شعور چند لڑکوں کے ساتھ دکھائی دیا۔

"اب کیا ہو گیا۔" وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی ان کے قدم بے اختیار رک چکے تھے۔ سونی کی آواز پر رکے قدم پھر سے چل پڑے جوں جوں وہ ان کے قریب ہوتی جا رہی تھیں اس کا دل پوری رفتار سے دھڑک رہا تھا وجہ خوف تھا جو اسے بے تحاشا لاحق تھا۔ شعور بھی انہیں دیکھ چکا تھا تب ہی سڑک کے بیچوں بیچ سے چند قدم ہٹ کر وہ کنارے کھڑا ہو گیا تھا اس کی نظریں جھکنے پر اس کے ساتھ کھڑے لڑکوں کی نظریں بھی بے ساختہ جھکی تھیں۔ شعور چپ چاپ زمین کو دیکھ رہا تھا۔

وہ دونوں جب خاموشی سے ان کے قریب سے گزر گئیں تو اس کے پاؤں کی حرکت تھمی اور ساتھ ہی سر اٹھا کر وہ لڑکوں سے بولنے لگا تھا۔ لڑکوں کی نظریں بھولے سے بھی اس سمت نہیں اٹھی تھیں جہاں وہ دونوں چلی جا رہی تھیں۔ وہ مرد جو کبھی سڑک پر کھڑے ہو کر کسی بھی لڑکی کو دیکھنے پر خود کو حق بجانب سمجھا تھا۔ آج پھر سے اپنی پرانی روش کی طرف لوٹ آیا تھا۔ ایک عورت کے عمل نے اس کے جھکے سر کو اٹھایا تھا اب ایک عورت نے اس کے اٹھے سر کو پھر سے جھکا دیا تھا آج اسے پھر سے احساس ہوا تھا کہ عورت کی عزت و احترام کیوں واجب ہے۔

لالی اور سونی شہر گئی تھیں سونی کے گردے میں تکلیف تھی وہاں انہیں سبحان کے گھر ٹھہرنا تھا پھر شام

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کو آتا تھا۔ گھر پر شعور اور وہ دونوں تھے۔ دوپہر کی نیند کے بعد وہ اٹھا تو چائے بنا کر وہ اس کے پاس چلی آئی۔ وہ حیرت زدہ رہ گئی جب اس نے اسے تیار ہوتے دیکھا۔ کپ رکھ کر وہ یکدم بولی۔
"کہیں جانا ہے آپ کو۔" وہ بے ساختہ اس کے سامنے آئی تھی۔
"ہاں کیوں؟" اس کے کیوں میں بہت کاٹ تھی۔
"آپ کیسے جا سکتے ہیں میں گھر پر اکیلی ہوں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ اس کے گھبرائے چہرے پر اک نظر ڈال کر وہ بولا۔
"میں رخسار کو بھیج دیتا ہوں وہ آجائے گی یہاں۔"
"آپ مجھے چھوڑ کر جائیں گے؟ اکیلے مجھے ڈر لگتا ہے۔"
"کہا نہیں ہے کہ رخسار کو بھیج دیتا ہوں۔" وہ اس کے قریب آکر چلایا۔ وہ چپ ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں یکدم … کی آئی تھی وہ جاتے جاتے پلٹا۔ پستا ہوا … ہوئے اتار کر صوفے پر اچھال دیا۔ ہاتھ میں پکڑے گلاسز اور رنگ ٹیبل پر پٹخ دیے۔ بیڈ پر بیٹھ کر شوز اتار کر سامنے دیوار پر دے مارے۔ اور دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنا کر بستر پر لیٹ گیا۔
"دفع ہو جاؤ۔" وہ جو ہونق بنی سب دیکھ رہی تھی اس کی بات پر فوراً کمرہ چھوڑ کر چلی آئی اس کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ گھر پر رک گیا تھا۔
شادی کے بعد اس نے اکثر اسے فون سے جڑے بیٹھے دیکھا تھا۔ اگر وہ سونے کے لیے کمرے میں آتی اور وہ بات کر رہا ہوتا تو اسے کمرے سے نکل جانے کو بولتا۔ عموماً اس وقت فون پر بات کرتا جب وہ کام میں مصروف ہوتی۔ ابتدا میں اسے شک تھا بعد میں یقین ہو گیا کہ وہ لڑکیوں سے ہی بات کرتا ہے۔ اس کی آواز بہت دھیمی اور شیریں ہو جاتی تھی۔ وہ اسے منع نہیں کر سکتی تھی وہ اس قدر وحشت تھا کہ بجائے بات ماننے کے وہ مزید بگڑ سکتا تھا۔
لڑکیوں کے بھی فون آنے لگے تھے۔ وہ بڑے دھڑلے سے اس کے بارے میں پوچھتیں۔ کام سے فارغ ہو کر اس نے دوپہر کو آرام کرنے کا سوچا وہ اپنے کمرے میں گئی تو وہ بیڈ پر لیٹا فون پر کسی سے محو گفتگو تھا۔ آج تو اس نے باہر نہ نکلنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ رسالہ ہاتھ میں لیے وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے نوٹ کیا کہ وہ کھل کر بات نہیں کر رہا تھا' صرف ہوں ہاں میں بات ہو رہی تھی۔ پھر اس نے اس کی آواز سنی۔
"چائے بنا کر لاؤ۔" مقصد اسے وہاں سے ہٹانا تھا۔
وہ بڑے اطمینان سے بولی۔
"دودھ ختم ہو گیا ہے۔"
"قہوہ بناؤ۔" اب کے لہجے میں برہمی تھی۔
"چینی نہیں ہے۔" بے نیازی عروج پر تھی۔ چند لمحے اسے گھورتے رہنے کے بعد وہ بولا۔ اس کی مخاطب فون والی لڑکی تھی۔
"اتنے دن سے تم کیوں ناراض تھیں ایک دن میں کیا ناراض ہو گیا رونے بیٹھ گئیں۔" دوسری طرف کی بات سن کر وہ مزید بولا۔
"اتنے دن سے تم نہیں بول رہی تھیں اس لیے مجھے بھی غصہ آگیا تھا۔ اوکے یار پھر سے ایسا نہیں کروں گا۔ پلیز اب روؤ نہیں۔ میں کروں گا فون تمہیں۔ اوکے بائے۔" فون رکھ کر وہ اٹھ کر الماری کی طرف گیا جبکہ وہ دھواں دھواں چہرہ لیے سکتے کی کیفیت میں بیٹھی اس دوغلے خود غرض انسان کے گھٹیا پن کو سوچ رہی تھی۔ بیوی سے بات کرنے کو اس کے پاس لفظ تک نہیں تھے لیکن دوسری عورتوں سے بولنے کے لیے کس قدر ذخیرہ الفاظ تھے اور کیا مٹھاس بھرا لہجہ۔ وہ لباس بدلنے واش روم چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ لباس بدل کر نکل آیا بیڈ کے کنارے بیٹھ کر شوز پہننے لگا۔ ایک دو بار سرسری نظر اس نے زیبان پر بھی ڈالی تھی اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھیں بے تاثر۔ وہ بڑے اطمینان سے تیار ہو کر چلا گیا اس کے جاتے ہی اس نے دل کھول کر آنسوؤں کی صورت اس غم کو بہایا تھا۔

اگلے چند دن اس نے کوئی توجہ نہ دی تھی۔ وہ اس کی کسی بھی عمل سے کسی بھی فعل سے کوئی سروکار نہ رکھنے کا تہیہ کر چکی تھی۔ لیکن برداشت کی حد جب ختم ہو جائے تو تہیہ اور تحمل سب بھول جاتے ہیں۔ وہ بھی یہ بھول چکی تھی کہ وہ ایسا کوئی بھی تہیہ کر چکی ہے۔ شام کے وقت فون کی بیل پر اس نے فون اٹھایا۔
"شعور ہے۔" ایک مترنم سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔
"آپ کون؟" اس نے غصے کی لہر کو دباتے ہوئے کہا۔
"میں اس کی دوست ہوں۔" دوسری طرف سے … انداز میں بتایا گیا۔
"وہ نہیں ہیں۔ آئندہ فون مت کرنا ورنہ میرے … بڑی بے عزتی ہو گی۔" اس نے فون بند کر دیا۔ … دن اس کی شامت آگئی۔
"تم نے کل فون پر مہرین سے بدتمیزی کیوں کی۔" … لہجے میں اس پر برس پڑا۔ وہ کچن میں کھڑی … میں جھانک رہی تھی کہ کیا پکایا جائے جب وہ آکر … کرنے لگا۔
"میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔ میں نے اسے … کرنے سے منع کیا تھا بس۔" اس نے فریج کا … بند کر کے پلٹ کر جواب دیا۔
"تمہارے باپ کا فون ہے یا تمہارے باپ کا گھر … جہاں تمہارے قوانین چلیں گے۔" وہ چپ …
"… سے پوچھ رہا ہوں کیوں بدتمیزی کی تم نے۔"
"… نے اسے منع کیا تھا۔" اس نے بیچارگی سے … کی کوشش کی لیکن اس کا ہاتھ اس کے گال پر … وار کر چکا تھا۔
"… معاملات میں تم نہیں بولو گی۔" وہ اس … نہیں کر رہی تھی۔ بات کرنے کو کچھ رہا بھی … غیر لڑکی کی بات مان کر اس نے اسے اس … دلا دی تھی۔ بہت دن گزر گئے۔ کئی بار … اس کی نظروں کو اپنے چہرے پر محسوس کیا تھا وہ جہاں بیٹھا تھا وہ وہاں بیٹھنے سے گریز کرتی تھی اگر وہ آکر ان سب کے سامنے بیٹھ جاتا تو وہ کسی بہانے سے وہاں سے اٹھ کر اندر کمرے میں چلی جاتی۔ وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ تھپڑ اسے بھولا نہیں تھا۔ اور نہ ہی وہ بھول سکتی تھی۔ اور نہ ہی اس میں زرین جیسی ہمت تھی کہ اسے چھوڑ کر بے فکری سے ماں کے گھر بیٹھ جاتی۔ اسے صرف اپنے ماں' باپ کی عزت کا احساس تھا۔ وہ سب دھوپ میں بیٹھی آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ وہ برآمدے میں آیا۔
"چائے بنا کر لاؤ۔" چلا کر اس نے زیبان سے کہا تھا۔ پھر کمرے میں چلا گیا چائے بنا کر اس نے سونی کو اشارے سے بلایا وہ مالٹے کھانے میں مصروف تھی۔ سونی کچن میں آئی تو وہ بولی۔
"یہ چائے بھائی کو دے آؤ۔"
"جی بھابھی۔" وہ معنی خیزی سے ہنس دی تھی۔
اس دن کے بعد سے وہ اس کے ہر کام کے لیے سونی کی خدمات حاصل کر رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے جانے سے کتراتی تھی۔ سونی نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ وہ بیڈ پر لیٹا آنکھوں پر بازو رکھے ہوئے تھا۔ کسی کی موجودگی کے احساس کے تحت اس نے بازو ہٹا کر دیکھا۔ سونی تھی۔
"چائے۔" اس نے دھیرے سے کہا۔
"زیبان کہاں ہے۔" تیوری چڑھا کر اس نے سوال کیا۔ اس کے سوال نے سونی کو گڑبڑا دیا۔
"انہیں کام تھا۔" اس نے بہانہ بنایا۔
"اسے کہو تم آرہی ہو یا میں آؤں۔" اس کے تیکھے لہجے نے سونی کو مزید پریشان کر دیا۔ وہ تیزی سے کمرے سے نکلی پھر تقریباً بھاگ کر صحن میں بیٹھی زیبان تک پہنچی۔
"بھابھی' بھائی کا موڈ بہت خراب ہے۔" پھر اس نے اس کا پیغام من و عن سنا دیا تھا۔
"بھابھی جائیں ورنہ بھائی کا دماغ پھر سے خراب ہو سکتا ہے۔" اسے تسلی دے کر وہ کمرے میں آئی۔ اس لمحہ اس کے اندر جیسے جینے کی امنگ ختم ہو گئی تھی۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

جب ایک شخص سے آپ کو بے تحاشا نفرت محسوس ہو جس نے آپ کی روح کو زخمی کر دیا ہو۔ اس سے ایک لفظ بولنے کے لیے خود پر بہت جبر کرنا پڑتا ہے۔ کوئی لفظ زبان سے ادا نہیں ہو رہا تھا۔ یعنی اس کے الفاظ کو بھی اس سے بے تحاشا نفرت تھی۔

"کچھ کہنا ہے آپ کو۔" آواز اور لہجے میں حد درجہ بیگانگی تھی۔ آنکھوں سے بازو ہٹائے وہ اسے کرخت نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے تمہیں چائے بنانے کو کہا تھا۔ سونی سے کیوں بنوائی۔"

"چائے میں نے بنائی ہے۔" وہ کوئی بکھیڑا کھڑا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"لائی کیوں نہیں تم۔" اب کے آواز میں اور بھی زیادہ برہمی کے آثار تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ پھر سرعت سے بیڈ سے اتر کر اس کے سامنے کھڑے ہو کر بولا۔

"اس دن کی بات کو انا کا مسئلہ بنا رہی ہو۔" اس کی بات پر اس نے اپنے دل میں نہایت درد محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"اگر میں نے اس بات کو انا کا مسئلہ بنایا ہوتا تو اس وقت میں یہاں نہ ہوتی اپنے ماں باپ کے گھر ہوتی۔ میری کوئی انا ہے ہی نہیں۔" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"تمہارے جیسے شوہر جس کے نصیب میں ہوں وہاں عورت کی کوئی انا ہوتی ہی نہیں اگر ہوتی ہے تو وہ اس کے پاس رہتی نہیں اگر مجھ میں انا ہوتی تو ماں باپ کے گھر بیٹھ جاتی ___ جیسے زریں بیٹھ گئی ہے۔ میری انا مر چکی ہے میں کسی بھی بات کو انا کا مسئلہ بنا ہی نہیں سکتی۔ ہاں نفرت ضرور کر سکتی ہوں۔ تمہارے چہرے سے' تمہارے الفاظ سے' تمہارے کردار سے۔ میں سچ بول رہی ہوں کہ مجھے اس دن سے تم سے شدید نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ اس لیے میں تمہاری شکل دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔ یہاں انا کا سوال اٹھتا ہی نہیں ہاں نفرت کا تم کہہ سکتے ہو۔" اسے پتہ ہی نہیں تھا کہ کب آنسو اس کے رخسار کو بھگونے لگے تھے۔

"میں نا تمہارے ساتھ لڑ سکتی ہوں اور نا ہی بحث کر سکتی ہوں بس میرے لبوں پر ایک سی کہ میرا اللہ تم سے میرے ساتھ کی گئی زیادتی کا بدلہ لے۔ تم میرے ساتھ جو کر رہے ہو اس کا بدلہ اللہ لے۔" وہ خاموش نظریں نیچی کیے اپنے دو فٹ کے فاصلے پر کھڑی زبان کو سن رہا تھا۔

"جس بندے کو ماں باپ کے ساتھ بولنے کی ہو وہ کسی اور کی کیا عزت کرے گا۔ تم کیا میری کرو گے تم تو اپنی بھی عزت نہیں کرتے۔ تم ہو کہ تم صحیح ہو باقی ساری دنیا' سارے لوگ۔ چاہے ساری دنیا تمہیں معاف کر دے لیکن تمہیں معاف نہیں کروں گی۔ کر لو جو کر سکتے آئندہ مجھے انا جیسے لفظ مت سنانا۔ مجھ میں انا ہے۔ میں اگر تم سے بات نہیں کرتی تو یہ انا نفرت ہے۔ وہی نفرت جو تم سب کو دیتے ہو۔" کر وہ رکی نہیں تھی چلی گئی تھی۔ جبکہ وہ دم بخود گیا تھا۔

ٹیلی فون کا سلسلہ جاری تھا۔ کچھ دنوں سے وہ کر رہی تھی کہ وہ اپنی کسی دوست سے ناراض آواز سن کر فون رکھ دیتا تھا۔ اگر کوئی اور دوست بات کر لیتا ورنہ فون بند کر دیتا۔ اس کی یہ سیریس ہو گئی تھی۔ جبھی دن رات فون کھڑکا سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہی تھی۔ اس بس انداز و لہجہ اسے بھی پشیمان کر دیتا تھا۔ وہ اس کی محبت میں ڈوبی دکھائی دے رہی تھی۔

"پلیز شعور سے میری بات کروا دیں۔" رندھی آواز پر وہ سوائے تاسف کے کچھ نہ تھی۔ اس کے دکھ کی تخلیق میں شعور کے ساتھ اس کی اپنی کارستانی بھی تھی۔ اگر پچاس فیصد تھا تو پچاس فیصد وہ لڑکی لیکن لڑکی کی حد درجہ درد میں ڈوبی آواز پر اس کا اپنا دل بھی حالانکہ ایسی لڑکیوں کے لیے جو لڑکوں سے وقوف بنتی اور ان کے ساتھ فلرٹ کرتی ہیں

ان کے لیے ہمدردی کا جذبہ کہیں موجود نہ تھا۔ تو اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا وہ رو رہی تھی اور سے بات کرنا چاہتی تھی۔ جبکہ شعور نے اسے ڈانٹ کر فون بند کر دیا تھا۔

کو کمرے میں الماری کھولے وہ کپڑوں کی ٹھیک کر رہی تھی لحاف اور بیڈ شیٹس بکھری تھیں انہیں اچھی طرح سے تہہ کر کے اس نے میں رکھ دیے تھے۔ فون کی بیل کب سے ہو کھڑکی کے پاس کھڑا وہ گھر کے پچھلے صحن میں اور لیموں کے درختوں کو بڑی محویت سے تکے جا پتا نہیں اس نے بیل کی آواز سنی نہیں تھی یا سننا چاہتا تھا۔ کچھ دیر کے انتظار کے بعد اس نے خود بڑھ کر ریسیور اٹھایا۔

شعور ہے۔ پلیز اس سے میری بات کروائیں۔" نے بڑی بے تابی سے کہا۔ اسے انتظار کا کہہ کر وہ کے پاس چلی آئی۔ وہ گردن موڑے اسے دیکھ رہا

آپ کا فون ہے۔"

کس کا ہے۔" اس نے سپاٹ انداز سے پوچھا۔

وہی لڑکی ہے۔" اس نے بھی اسی انداز میں دیا۔

وہ بات نہیں کرنا چاہتا۔" پھر سے باہر نظریں درختوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے تکبر کو سوچتی وہ فون کے پاس آ گئی۔

مصروف ہے۔" چاہتے ہوئے بھی اس کے زبان پر لا سکی تھی۔

آپ بعد میں کیجئے گا۔" اس نے فون رکھا اور بے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ آخری جملے پر وہ اس کے پاس آکر بولا۔

کیوں کرنے کو کہا تم نے۔ میں نے جو کہا وہ نہیں کہا تم نے۔" بازپرس اس کی عادت تھی کی اس عادت سے نالاں تھی۔

کے الفاظ سے وہ مر بھی سکتی ہے۔ وہ کم آپ کی بے رخی کے نتیجے میں خود کو نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔" اس نے وضاحت کی۔

"تم بچاؤ گی اسے۔" وہ سفاکی کی ساری حدیں پھلانگتے ہوئے بولا۔ وہ حیرت زدہ سی اسے تکتی رہی پھر بولی تو اسے خود اپنا لہجہ اجنبی لگا۔

"تم اس قدر بے حس ہو گئے ہو کہ کسی کی موت بھی تمہارے لیے معمولی بات رہ گئی ہے۔ تم ___ تم" اسے کوئی الفاظ نہیں سوجھ رہے تھے۔

"تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ کوئی مرے یا جیے۔ اگر اسے کچھ ہوا تو تو اپنے اعمال کی فہرست میں ایک قتل کا اضافہ بھی کر لینا۔ ایک یہی کمی ہے یہ بھی پوری کر دو۔" غصے سے اس کی آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ اس وقت اس کا چہرہ شدید غصے کا اظہار کر رہا تھا۔ اس نے لوگوں کی زندگی سے کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ سب سے زیادہ افسوسناک پہلو یہ تھا کہ اسے کسی کی زندگی ختم ہونے پر کوئی دکھ پشیمانی بھی نہ تھی۔

"وہ فون کرے تو اس سے کہنا کہ مجھے تم نے فون پر بات کرنے سے منع کیا ہے۔" اس کی بات پر وہ حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھنے لگی۔

"میں نے تمہیں منع نہیں کیا۔" اس نے تلخی سے کہا۔

"پر تم یہی کہو گی۔" وہ قطعیت سے کہہ رہا تھا۔

"میں ایسا مذاق کسی کے ساتھ نہیں کر سکتی۔ اس سے اس کی جان جا سکتی ہے۔" اس نے واضح انکار کیا۔

"کہنا تم مجھے منع کر چکی ہو۔" وہ سخت لب و لہجہ میں بولا۔

"میں ایسا نہیں کروں گی۔" اس نے انکار کیا۔ اس نے دیکھا اس کی آنکھوں میں کہیں ڈر خوف کی ہلکی سی رمق بھی نہ تھی۔ وہ کچھ نا بولا۔ خاموش کھڑا چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور پھر بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ پھر سے الماری کی طرف بڑھی۔ تقریباً" بیس منٹ بعد پھر سے بیل بجی شعور نے فون اٹھایا۔

"ہاں کہو مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ کم ٹو دا پوائنٹ نکل میں تمہاری طرف آ رہا ہوں۔" وہ چونک گئی۔ حرکت کرتے ہاتھ یکدم رک گئے۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"کل ہم کورٹ میں جا کر نکاح کریں گے۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں سن رہا۔ میں اب ہر حال میں تم سے نکاح کرنے والا ہوں۔ پچھلی باتوں کو جانے دو آج کی بات کرو۔" وہ زہر خند لہجے میں تیز تیز بولتا زبان کے حلق تک کو کڑوا کر چکا تھا۔

"پہلے نہیں مان رہا تھا پر اب مان رہا ہوں مجھے ہر حال میں تمہارے ساتھ نکاح۔" تیزی سے اس کی طرف آتی زبان نے ریسیور جھپٹ کر کریڈل پر رکھ دیا۔

"تم انتہائی ظالم ہو شرم نہیں آتی تمہیں۔" وہ رونے لگی۔ وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا خاموش تھا۔ بیل پھر سے بجی۔ اب کی بار ریسیور زبان نے اٹھایا اور رندھی آواز میں بولی۔

"دیکھو یہاں پھر سے فون مت کرنا میں منع کر چکی ہوں اسے۔ اب تم اسے فون نہیں کرو گی کیونکہ وہ تم سے بات نہیں کرے گی۔" دوسری جانب کی بات سن کر وہ ایک بار پھر چلائی۔

"کہا نا کہ میں منع کر چکی ہوں اسے۔ اب وہ بھی تم سے بات نہیں کرے گی۔" کہہ کر اس نے فون رکھ دیا۔ اور وہیں کارپٹ پر بیٹھ کر رونے لگی۔

صبح وہ کافی دیر سے اٹھی۔ وہ اس کے لیے ناشتا تیار کر کے لے آئی۔ ناشتا کرنے کے بعد ناشتے کے برتن دھو کر وہ ایک بار پھر اس کے پاس چلی آئی وہ ٹی وی پر میچ دیکھ رہا تھا۔ کچھ پل تو وہ کشمکش میں مبتلا رہی پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"آج موسم اچھا ہے باہر نا جائیں۔" آنکھوں میں حد درجہ حیرت لیے چند لمحے تو وہ اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"جاؤ باہر صحن میں بیٹھ جاؤ ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں جو گرمی سر کو چڑھی ہے وہ اتر جائے گی۔" اس کے سلگتے الفاظ پر وہ مجسمہ بن گئی تھی۔ وہ اٹھ کر جانے لگی۔ اس نے اس کی آنکھوں میں نمی دیکھی تھی۔ تب وہ [illegible] سے بولا۔

"[illegible] کے ساتھ چلی جانا۔"

"نہیں جانا ضروری نہیں۔" اس نے بے تاثر انداز میں جواب دیا۔ وہ دور جانے لگی وہ اس کے سامنے آ کر بولا۔

"باہر سب تمہیں میرے ساتھ دیکھیں گے مجھے اچھا نہیں لگتا کہ کوئی کچھ بولے۔"

"کیوں بولیں گے۔" ابرو اچکا کر اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر نہایت سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"کیونکہ میری کہانی میں ان کے لیے دلچسپی کے بہت سے رنگ ہیں۔ جتنا میں نہیں جانتا وہ مجھے جانتے ہیں۔" وہ تلخی سے کہہ رہا تھا۔

"تو کیا تم ساری زندگی لوگوں کے ڈر سے مجھے اپنے ساتھ کہیں لے کر نہیں جاؤ گے۔" وہ نکلنے لگی تب اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے روکا۔

"تم تنگ کرنے لگی ہو مجھے۔" اس کے الفاظ میں جو بھی تاثر تھا وہ جان نہ پائی۔

"آئندہ نہیں کروں گی۔" وہ ہاتھ چھڑا کر جانے لگی۔

"چلو۔" اس نے پاس سے گزرتی زبان کی [illegible] دھری پر بنا غصہ کیے کہا۔ اماں کو بتا کر وہ دونوں نکلے۔ اماں کی زبانی وہ سن چکی تھی کہ گاؤں میں میاں بیوی سب کے سامنے ایک دوسرے کو پکارتے ان کا ساتھ کہیں جانا یا سیر کو نکلنا تو کھلی بے حیائی اور اس کو ویسے بھی عورتیں اس طرح گھورتی تھیں [illegible] شہر سے آنے کی بجائے کسی دوسرے سیارے [illegible] ہو۔

راستے میں کچھ لڑکے کھڑے تھے ان کے [illegible] خاموشی سے گزر کر کافی آگے جا کر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر بولا۔

"کہہ رہے ہوں گے کہ پہلی والی نے [illegible] کہ دوسری کا غلام بن کر رہ گیا ہے۔" وہ یکدم رک گئی۔ یعنی اس کے ساتھ تھی۔ سڑک کے کنارے بچے گھر کی [illegible] ساتھ ٹیک لگا کر وہ دل کھول کر رونے لگی۔

"کیا کر رہی ہو۔" وہ سختی سے بولا۔ [illegible] نام نہ لے رہی تھی۔

"تم سے کہہ رہا ہوں میں۔" وہ درشت لہجے میں بولا۔ اس کے دونوں ہاتھ اس کے ہاتھوں میں تھے

"مجھے گھر جانا ہے۔" اس نے روتے ہوئے کہا تھا۔

"گھر جانا ہے۔" اس نے اس کے الفاظ دہراتے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ ہٹا لیے تھے۔

"رو کر کیا ثابت کرنا چاہتی ہو کہ میں تم پر ظلم کرتا ہوں۔" اس کا لہجہ درشت تھا وہ اسے دھکا دے کر اپنے سامنے سے ہٹا کر تیز تیز قدم اٹھا کر آگے بڑھنے لگی۔ وہ بھی بگڑے تیور لیے اس کے پیچھے چل پڑا۔ ایک جگہ اسے غلط راستے پر جاتے دیکھ کر اس نے اسے صحیح راستہ دکھایا تھا۔

پگڈنڈی پر چلتے چلتے اس کی نظریں دور دور ہر طرف کھلی سرسوں پر تھیں۔ اپنی سوچوں میں گم فصل دیکھنے میں منہمک وہ مٹی کے بڑے تودے کو نا دیکھ سکی غیر متوازن وجود نالے میں گرنے لگا تھا جب پھرتی سے ہاتھ بڑھا کر شعور نے اسے کھیتوں کی طرف دھکیلا۔ بجائے شکریہ ادا کرنے کے وہ بولی۔

"گرنے دیا ہوتا آپ کی جان چھوٹ جاتی۔" اور وہیں بیٹھ کر پاؤں سہلانے لگی۔ وہ بھی اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"چوٹ آئی ہے۔" وہ پوچھنے لگا۔ بنا جواب دیے وہ اپنے ہاتھ سے اپنا پاؤں ہلکا ہلکا دبا رہی تھی۔ اس کی نظریں اس کے گلابی پاؤں پر جمی تھیں۔ اپنا ہاتھ اس کے پاؤں پر رکھتے ہوئے بولا۔

"کہاں درد ہو رہا ہے۔" اس نے یکدم جوتا پہنا۔ اور اٹھ کر بولی۔

"واپسی کا کون سا راستہ ہے۔"

ندی کے درخت کے قریب پہنچ کر وہ اس سے بولا۔

"بیر کھاؤ گی۔" وہ رکی نہیں وہ اس کے پاس سے گزر کر آگے بڑھی ناچار وہ بھی آگے بڑھا۔ سامنے سے کچھ لڑکیاں آ رہی تھیں شعور اس سے آگے بڑھا۔ آگے والی لڑکی شعور کو دیکھ کر بڑے دلربا انداز سے ہنسی پھر جیسے ہی اس کی نظر شعور کے پیچھے زبان پر پڑی تو اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ لڑکی کے ہنسنے اور شعور کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھنے پر اس نے قیاس لگایا کہ وہ اس کی کوئی رشتہ دار تھی۔

"کون تھی یہ لڑکی؟" بالآخر وہ پوچھ بیٹھی۔

"میری محبوبہ۔" باغ میں قدم رکھتے شعور کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔ اس نے اس قدر ڈھٹائی سے اعتراف کرتے پہلے شوہر کو دیکھا تھا۔ امرود کی شاخ سے امرود توڑ کر اس کی طرف بڑھا کر بولا۔

"پلوشہ نام ہے اس کا۔" اس نے خود ہی تفصیل دینا چاہی۔

"اتنے ہی مرتے ہو تو شادی کیوں نہیں کی۔" اس نے زہر آلود انداز میں پوچھا تھا۔

"قسمت میں نہیں تھی۔" بے نیازی سے کہہ کر وہ پھر سے امرود توڑنے لگا۔ لیکن اس نے اس کے ہاتھ سے امرود نہیں لیا۔ خود ایک درخت کی جانب بڑھی۔

"بات مت کرو مجھ سے۔" وہ آگے بڑھی باغ کے آخری سرے پر پہنچ کر اس نے نیچے ندی بہتے دیکھی۔ باغ بلندی پر تھا اور ندی نیچے بہہ رہی تھی۔ ندی دیکھ کر تو جیسے وہ پاگل ہو گئی تھی۔ پانی کا تیز شور ماحول کی خاموشی کو توڑتا کانوں کو بہت بھلا لگ رہا تھا۔

"کہاں سے کیسے جاتے ہیں ندی تک۔" اس نے اپنے پیچھے کھڑے شعور سے سوال کیا۔ باغ کے چاروں طرف لکڑیوں اور خشک جھاڑیوں کی باڑھ تھی۔

"یہاں سے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے جو دوسرا ہے وہ کافی دور ہے۔ بس یہیں سے دیکھ لو۔" اس نے تفصیلی طور پر بتایا۔

"مجھے جانا ہے۔" اس کا انداز حتمی تھا۔

"کہا نا دور ہے۔" کہہ کر وہ مڑ کر چلنے لگا۔

"سنو پلیز مجھے جانا ہے۔"

"بس یہیں سے دیکھ لو نا۔" تنگ آ کر وہ عاجزی سے بولا۔

"مجھے نزدیک سے دیکھنا ہے۔" وہ ڈٹ گئی۔

"اوکے۔" تنگ آ کر وہ چل پڑا۔ کافی فاصلہ طے کر کے وہ خشک جھاڑیوں کے میدان میں چلے آئے۔ میدان میں کہیں کہیں سرسبز گھاس تھی باقی خشک جھاڑیاں

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

اور گھاس پھونس تھی۔ میدان کو پار کر کے تنگ پتھریلے راستے سے گزر کر ندی تک جانا پڑتا تھا۔ میدان اونچائی پر تھا جبکہ ندی کے لیے راستہ اونچائی سے ڈھلان کی طرف جاتا تھا۔ کانٹے دار جھاڑیوں پر پاؤں رکھتے ہوئے انہوں نے تقریباً دوڑتے ہوئے نیچے تک کا فاصلہ طے کیا تھا۔ وہ ندی کے کنارے بیٹھ گئی۔

وہ اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ کچھ پل خاموشی حائل رہی پھر اس سکوت کو زبان کی آواز نے توڑا۔

"ایک بات پوچھوں۔"

"ہاں۔" نیم دراز سا وہ ندی کے پانی پر نگاہیں مرکوز کیے بولا۔

"تم سگریٹ پینا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔" اس نے دیکھا اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔ لیکن وہ بدستور خاموش رہا۔

"تم سے پوچھ رہی ہوں جواب دو۔" اس نے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

"اس سے کیا تم سے۔" کچھ پل کی خاموشی کے بعد اس نے سوال کیا۔

"اس نے بھی کہا ہو۔ تم میری بات کا جواب دو۔"

"کچھ اور کہو۔" اس نے بات بدلنی چاہی۔

"نہیں میں یہی کہوں گی۔"

"تنگ مت کرو۔" وہ سختی سے کہتا پھر سے پتھر اٹھا کر ندی میں پھینکنے لگا۔

"اگر پلیز کہے تب بھی نہیں مانو گے۔" جلن کے احساس کے تحت اس کی زبان پر اس وقت اسی کا نام آیا۔ وہ زیر لب مسکرایا۔ آج پہلی بار اس نے اسے اس قدر مسکراتے دیکھا۔

"کہو نا تم سگریٹ پینا چھوڑ دو گے۔" اس کا لہجہ ملتجی تھا۔

"اک بار جس شے کی عادت پڑ جائے وہ نہیں چھوٹتی۔"

"چھوٹتی ہے اگر بندہ خود چاہے۔" وہ اس کے گرد گھیرے کا حصار باندھ رہی تھی۔

"کہو چھوڑ دو گے نا تم۔" ایک ہی بات کی تکرار سن کر وہ چلایا۔

"بکواس بند کرو گی تم۔" وہ گم صم رہ گئی۔ اعصاب سکون ہوتے ہی اس نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنا چاہا۔ شاید وہ کچھ کہنا چاہتا تھا جب اس نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ ہاتھ جھٹکنے پر جیسے اسے کرنٹ لگا۔ اپنا ہاتھ پھر سے اس نے سختی سے اس کے کندھے پر رکھا۔ اس کی آنکھوں میں دہکتی آگ کی بھڑکتی چنگاریاں اس نے دیکھ لی تھیں اب کی بار اس نے اس کا ہاتھ اپنے کندھے پر رہنے دیا تھا۔ اس نے پھر سے اپنا ہاتھ رکھ کر اپنے استحقاق کو ثابت کر کے گویا اس کو چیلنج کیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے رہا۔ پھر کچھ ہی دیر بعد ہٹا دیا تھا۔ وہاں کچھ دیر مزید بیٹھے رہنے کے بعد وہ دونوں لوٹ آئے۔

بہادر خان کے بیٹے حشمت خان کی شادی تھی۔ اس کی شادی اپنی کزن سے ہو رہی تھی۔ مہندی والے دن فردوس صبح سویرے ان کے گھر چلی گئیں ساتھ ہی سونی اور زبان کو تیار ہو کر آنے کی تاکید بھی کی۔ دونوں گھروں کے بیچ دیوار تھی۔ وہ بالوں میں برش کر رہی تھی جب وہ کمرے میں چلا آیا۔ الماری سے کپڑے نکال کر اس نے اسے پکڑائے۔ اور خود تیار ہونے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ بھی نہا کر نکلا۔ سفید شلوار قمیص میں اس کا دلکش سراپا اور نمایاں ہو گیا تھا۔ تیار ہو کر وہ چادر اوڑھنے لگی۔ وہ اسے دیکھ کر بولا۔

"آج مہندی لے کر جانا ہے۔"

"ہاں۔" اس کے سوال پر وہ تعجب سے بولی۔

وہ سر ہلا کر چند لمحے چپ رہا۔

"تم نہیں جانا۔" کچھ توقف کر کے بولا۔

"کیوں؟" اس کے لبوں سے بے ساختہ سوال پھسل گیا۔

"میں جو کہہ رہا ہوں۔"

کچھ پل سوچ کر وہ یکدم بولی۔

"ایک شرط پر نہیں جاؤں گی۔" وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے پاس آگئی۔

"کیا شرط۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ خود پر پرفیوم چھڑکنے لگا۔

"تم چچا جان کے گھر مجھ سے ملنے آؤ گے۔" اس نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا۔

"نا آؤں تو۔" گلاسز اٹھا کر وہ اس کے دوپٹے سے صاف کرتے ہوئے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔ وہ خاموش رہی۔

"ٹھیک ہے میں آؤں گا پر تم وہاں نہیں جاؤ گی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ گاؤں میں شادی بیاہ کے موقعوں پر مردوں کے گھروں میں چلے آنے کو برا سمجھا جاتا تھا۔ اتنا عرصہ یہاں رہ کر اسے اتنا تو معلوم ہو ہی گیا تھا۔ لیکن وہ اس سے آنے کا وعدہ لے چکی تھی آج بہت عرصے بعد اس نے زرین کو دیکھا تھا۔ پہلے جب وہ بچپن میں یہاں آئی تھی تو زرین کے ساتھ اس کی بڑی اچھی گپ شپ ہوا کرتی تھی۔

زرین شعور کی ہم عمر تھی۔ شادی میں زرین اسے دیکھ چکی تھی لیکن اس کے پاس نہیں آئی تھی۔ حالانکہ گاؤں کی ہر عورت اس سے آ کر ملی تھی۔ سوائے زرین اور اس کی ماں کے۔ وہ خود ہی اٹھ کر ان سے ملنے چلی گئی۔ یوں دور سے انہیں دیکھ کر اگنور کرنا اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اس سے روکھے پھیکے انداز سے ملی وجہ صاف ظاہر تھی شعور سے متعلق ہر چیز سے شاید اسے نفرت تھی۔ وہ چار رسمی جملوں کے بعد وہ دادی کے پاس آ کر بیٹھی۔ دادی اسے اس کی معصومیت اور نرم اخلاق کی بدولت بہت پسند کرنے لگی تھیں۔ وہ زبان سے شعور کے متعلق ہی باتیں کرتی رہی تھیں۔ وہ سب مہندی لے کر لڑکی والوں کے ہاں جانے لگیں۔ فردوس اس کے پاس آ کر بولیں۔

"تم نے نہیں جانا کیا۔" وہ اس کے اس قدر اطمینان سے بیٹھنے پر حیران تھیں۔

"نہیں میں نہیں جا رہی۔"

"کیوں۔" وہ سراپا سوال بنیں۔

"پاؤں میں درد ہے۔" اس نے بہانہ گھڑ لیا۔ ان کے استعجابیہ تاثرات سے اندازہ ہوا کہ انہیں اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ ان سب کے جانے کے بعد وہ دادی سے ان کے بچپن کے قصے سننے لگی۔ ساتھ ہی اس کی نظریں نیم وا گیٹ پر بھی تھیں۔ اس کی بے چینی عروج پر تھی۔ وعدے کے مطابق اب تک اسے آجانا چاہیے تھا لیکن وہ نہیں آیا تھا۔

دادی کیا کہہ رہی تھیں اب اس جانب اس کی توجہ تھی ہی نہیں۔ اس کی متلاشی نظریں نیم وا گیٹ پر جمی تھیں۔ دادی کچھ پوچھ رہی تھیں۔ ناچار وہ متوجہ ہوئی تھیں۔ انہماک سے دادی کو سنتے ہوئے اس کی نظریں بے ساختہ چرچراتے گیٹ کی طرف اٹھیں۔ ایک اطمینان بھری لہر سارے وجود میں سرایت کر گئی۔ قریب آ کر اس نے دادی کو سلام کیا۔

"شعور بیٹا کیسے ہو؟" وہ دادی کے قریب بیٹھ گیا۔ دادی اس سے شکوہ کرنے لگیں کہ وہ ان سے ملنے نہیں آتا۔ جواب میں وہ خاموش رہا۔ دادی کے دائیں بائیں وہ دونوں بیٹھے تھے۔ دادی نے اس کے سامنے زبان کی تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ پھر دادی عصر کی نماز کے لیے وضو کرنے چلی گئیں۔ اب صرف وہ دونوں رہ گئے۔

"شرط پوری ہوئی نا۔" چند لمحے مزید بیٹھنے کے بعد وہ اٹھ گیا۔ وہ یکدم سے اٹھ کر اس کے سامنے آئی۔

"آپ ابھی نہیں جا سکتے۔ میں یہاں اکیلی بور ہو رہی ہوں۔"

"دادی ہیں تو۔" کہہ کر وہ ایک بار پھر قدم بڑھانے لگا۔ وہ پھر سے اس کے سامنے آئی۔ اور چپ چاپ کھڑی رہی۔ وہ پلٹ کر واپس صحن میں رکھی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

یہ گھر ان کے گھر جتنا بڑا نہیں تھا پانچ کمرے تھے۔ کمروں کے آگے برآمدہ نہیں تھا۔ دادی نماز پڑھ کر پھر سے بیٹھ گئیں۔ وہ دونوں آپس میں بولتے رہے۔ اسی اثناء میں اس نے عورتوں کے ہجوم کو اندر داخل ہوتے دیکھا۔ وہ سرعت سے اٹھا لیکن اندر آتی اس بھیڑ میں وہ باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ اس لیے قید ہو کر رہ گیا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

شعور نے نظریں جھکالیں۔ وہ اب بھی شعور کے ساتھ دھیرے دھیرے بڑی بے نیازی سے بولتی رہی۔ یکدم سے اس نے شعور کو نظریں اٹھاتے اور کسی پر جمتے دیکھا۔ اس کی تقلید میں اس نے بھی اپنی نظریں ادھر ہی موڑیں۔ وائیں جانب ذرا فاصلے پر زرین لال انگارہ آنکھوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"فی الحال کمرے میں چلو جب بھیڑ کم ہو جائے تو چلے جانا۔" وہ مشورہ دیتی بولی۔ وہ کمرے میں چل دیا وہ بھی اس کے پیچھے گئی کچھ دیر بعد جب ہجوم ٹلا تو وہ چلا گیا۔

ہر بندے کی اپنی سوچ 'اپنی پلاننگ ہوتی ہے۔ اپنی حکمت عملی سے وہ اپنے اور ہر بندے کی جو اس سے وابستہ ہو' کے لئے فائدہ تلاش کرتا رہتا ہے۔ شعور کے پیچھے چل پڑتی اس لڑکی کا مقصد گاؤں کے لوگوں میں اس احساس کو جگانا تھا کہ ایک پڑھی لکھی لڑکی جس بندے کے پیچھے چل پھر رہی ہے۔ وہ کوئی گیا گزرا نہیں تھا۔ ہاں حالات نے اسے ضرور اس نہج پر پہنچادیا تھا اور اسے ان حالوں کو پہنچانے والی غلط تھی وہ کہیں۔

☼ ☼ ☼

شعور سے چھوٹی بہن زینب جو کہ بیاہ کر کراچی میں مقیم تھی وہ بھی شادی میں شرکت کے لیے آئی تھی۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ اس کے آنے سے رونق ہو گئی تھی۔

صبح وہ جلدی اٹھ گئی۔ ساری رات سوتے جاگتے گزاری تھی نماز پڑھ کر وہ باورچی خانے میں سب کے لیے ناشتا تیار کرنے لگی۔ شہناز بھابھی بھی نماز پڑھ کر اس کی مدد کرنے لگیں۔

"بھابھی بھائی بلا رہے ہیں۔" سونی باہر سے آکر اسے مطلع کرنے لگی۔ دل تو جانے کو نا چاہ رہا تھا۔ لیکن سب کی موجودگی میں وہ دل کی بات نہیں مان سکتی تھی۔ کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کا قدم من بھر کا ہو رہا تھا۔

وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا تھا۔

"کچھ کہنا ہے تمہیں۔" اس کے لہجے میں خود بخود سختی عود کر آئی۔ اسے دیکھے بنا ہنوز لیٹے ہی اس نے کہا۔

"میں سونے جا رہا ہوں کوئی مجھے نا جگائے۔ دعوت کے وقت بھی اگر میں سو تا رہوں تو کوئی مجھے ڈسٹرب نا کرے۔" وہ تحکم بھری آواز میں بولا جیسے دنیا کے سارے کام کر کے تھک گیا ہو۔ اس کے دل میں اس کے لیے جو زہر بھرا ہوا تھا وہ الفاظ کی صورت نکلنے لگا۔

"میں یہاں تمہاری چوکیداری کرنے نہیں بیٹھی۔ میں چچا کے گھر جا رہی ہوں۔ اگر کوئی تمہیں جگاتا ہے تو تم یہ خود اس سے بول دینا کہ وہ تمہیں نا جگائے۔" زہر خند لہجے میں بولتی وہ پلٹنے لگی۔ اس کے الفاظ پر وہ یکدم سیدھا ہو کر بولا۔

"رکو۔" وہ رک گئی۔ لیکن خاموش رہی۔ چند لمحے اسے گھورتے رہنے کے بعد وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اور براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اسی لیے اس کی نظریں سامنے سائیڈ ٹیبل کے گلدان پر تھیں۔

"تمیز سے بات کرو۔" وہ بولا۔

"مجھے تمیز نہیں آتی۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتی بولی۔

"سکھاؤں تمہیں۔" وہ سخت نظروں سے دیکھ[illegible] درشت لہجے میں بولا۔

"مجھے پانچ ہزار روپے چاہئیں۔" اس کی عجیب غریب بات پر وہ حیران رہ گیا۔ یہ کیسی فرمائش تھی۔

"پانچ ہزار روپے۔" وہ دہراتے ہوئے بولا۔

"ہاں پانچ ہزار روپے۔ پانچ لاکھ نہیں مانگے [illegible] نے۔" اس نے انتہائی غصیلے انداز میں کہا۔

"کیوں چاہئیں۔" اس نے کچھ نا سمجھی کے [illegible] میں پوچھا۔

"بس چاہئیں مجھے۔" بدتمیزی سے کہتی [illegible] سامنے رکھے گلدان کو دیکھ رہی تھی۔ شعور [illegible] انداز سے الجھن عیاں تھی۔

"فی الحال نہیں ہیں۔ جب بابا جان [illegible]

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

میں دے دوں گا۔" اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کہا۔

"مجھے ابھی چاہئیں۔" وہ تیز آواز میں بولی۔

اس کی بات پر وہ سوچتا جیب میں ہاتھ ڈال کر جیب ٹٹولنے لگا۔ پرس کی تلاش میں اس نے سائیڈ ٹیبل کی طرف دیکھا۔

"پانچ ہزار نہیں ہے فی الحال ایک ہزار سے کام چلاؤ۔" وہ مڑ کر روپے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"مجھے اتنے ہی چاہئیں جتنے تم طوائفوں پر لٹا چکے ہو۔" اس کی بات پر اس کا بڑھتا ہاتھ یکدم رکا۔

"کس نے کہا ہے تم سے۔" اس نے بے تاثر لہجے میں پوچھا۔

"مجھے روپے چاہئیں۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتی بولی۔

"اسی سے مانگو جو تمہیں یہاں لایا ہے۔" سکون سے جواب دیتا وہ اس کے سکون کو غارت کر گیا۔

"ٹھیک ہے جب بابا جان فون کریں گے تو میں ان سے کہوں گی کہ وہ دن رات محنت کر کے جو روپے کما رہے ہیں ان کا بیٹا ایک ہی رات میں اڑا دیتا ہے۔" وہ بڑی بے رحم نظر آ رہی تھی۔

"تم کہو گی۔" اب اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا۔

"ہاں۔ جب تمہیں باپ کی کمائی اس طرح لٹاتے شرم نہیں آتی تو مجھے حقیقت بتانے میں کیوں جھجک ہو گی۔" وہ بے خوفی سے بولی۔ چند قدم آگے بڑھ کر اس کے قریب آ کر ہاتھ کی انگلی اس کے ماتھے پر رکھ کر اس کا سر اٹھاتے ہوئے وہ نہایت سلگتے لہجے میں بولا۔

"کیوں کہا تم نے ایسا۔" وہ چلایا وہ اپنا بازو چھڑا کر وہیں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رونے لگی۔ سوفی اندر آئی لیکن اندر آ کر حیرت سے بت بن گئی۔

"تم کیوں کھڑی ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ بہن پر غصہ نکالنے لگا۔ اس کے جاتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا پھر اس کے پاس آ کر بولا۔

"تمہیں جتنی بھی رقم چاہیے میں تمہیں ایک دو روز میں دے دوں گا۔ پھر اپنی شکل نا دکھانا مجھے۔" دروازے پر دستک ہونے لگی۔ خشمگیں نظروں سے اسے تکتا دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے میں ایستادہ زینب کو اندر جھانکنے کا موقع نا دے پایا۔

"اماں نے کہا ہے کہ بھابھی تیار ہو کر چچا کے گھر آ جائیے۔ وہاں ان کی اماں اور بہن آئی ہیں۔" وہ کہہ کر چلی گئی۔ وہ دروازہ بند کر کے اس کے پاس آیا۔

"اماں بلا رہی ہے تمہیں چچا کے گھر۔" وہ اس کی سرخ اور متورم آنکھوں کو برہم نظروں سے دیکھتا رہا۔

شادی کے اگلے روز زینب چلی گئی۔ اسے اس کا شوہر لینے آیا تھا۔ زینب اپنے پھوپھی زاد سے بیاہی تھی۔ اس کی ایک نند تھی جس کی شادی ہو چکی تھی۔

وہ بہت اداس تھی۔ آج کل اس کا دل کسی چیز میں نہیں لگ رہا تھا۔ اسے ہر چیز سے اداسی ٹپکتی نظر آتی۔ اگر وہ چاند کو دیکھتی تو وہ اسے اداس دکھائی دیتا۔ شاید انسانوں کی جاہ حالی پر اداس تھا۔ اگر ستارے پر نظر پڑتی تو وہ اسے الگ افسردہ نظر آتا۔ سورج اپنے دکھوں سے سرخ پڑتا لگ رہا تھا۔ درخت بارش کی کمی شدت سے محسوس کر رہے تھے۔ اس کا احساس ان کے مرجھائے پتوں سے ہو رہا تھا۔ ہر چیز خاموش تھی اداس تھی۔ وہ اس سے سوائے ضروری کام کی بات کے بولتی تھی۔ اس کا دل اس سے بات کرنے کو نا چاہتا تھا۔ بلکہ اب تو اسے دیکھ کر اسے وحشت سی ہونے لگتی۔

ان کے گھر سے کچھ فاصلے پر پہاڑ کے دامن میں قبائلیوں کے خیمے لگے ہوئے تھے۔ وہ وہیں رہتے تھے۔ وہاں کی مٹی سرخی مائل تھی ان سب نے وہاں جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ وہاں جا کر اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ سہولت نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ انہیں پانی کے لیے بھی کافی فاصلہ طے کر کے دیہات کے گھروں سے لینے جانا پڑتا تھا۔ سارا دن یہ سلسلہ جاری رہتا۔ سب ادھر ان کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف تھیں۔ ان کے خیمے دیکھ رہی تھیں۔ وہاں کی عورتیں خوشی خوشی انہیں اپنی زندگی کے متعلق بتا رہی

وہ کھیت میں نوید کے ساتھ بیٹھا تھا دور سے انہیں دیکھ کر اٹھ کر ان کی طرف آیا۔ اسے دیکھ کر وہ سب گھبرا کر چل پڑیں۔

"تم لوگ جاؤ یہ میرے ساتھ آ جائے گی۔" سب کی طرف دیکھ کر اس نے کہا تھا۔ وہ حیران صورت لیے سر جھکا گئی۔

"آؤ۔" اسے بغور دیکھتا وہ اشارہ کرتا ہوا بولا۔ وہ ان سب پر ایک نگاہ ڈال کر پھر اس کی جانب دیکھ کر بولی۔

"مجھے گھر جانا ہے کام ہے مجھے۔" اس کی بات پر توجہ دیے بغیر وہ باقی سب سے مخاطب ہوا۔

"تم لوگ جاؤ۔" وہ سب آگے بڑھ گئیں۔ وہ بھی ان کی تقلید میں قدم اٹھانے لگی یکلخت اس نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک دیا۔

"آؤ۔" ایک بار پھر اس نے کہا۔ وہ اپنی جگہ جمی رہی۔ اسے کھینچتے ہوئے وہ چل پڑا۔ اس کا رخ پہاڑ کی جانب تھا۔ کئی جگہ اس کا پاؤں مڑتے مڑتے رہ گیا۔ وہ بھاگنے کے انداز میں کھینچ رہا تھا۔ اس کی سانس پھولنے لگی تھی۔ پاؤں شل ہونے لگے تھے۔

"پلیز میں تھک گئی ہوں۔" وہ اس کی بات سن [illegible] رہا تھا۔

"پلیز رک جاؤ۔" اس پر اپنی بات کا اثر نا ہوتے دیکھ کر اس نے دوسرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ اس کی گرفت مضبوط تھی۔ اب وہ پہاڑ پر چڑھنے سے گھبرا گئی۔

"گر جاؤں گی۔" گرتے گرتے بچی تو چلا اٹھی۔

پندرہ بیس فٹ کی چڑھائی پر لے جا کر اس نے دھکا دے کر ایک بڑے پتھر پہ بٹھا دیا۔ اور خود گر کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ اس نے دیکھا تھا اس کی شرٹ پسینہ پسینہ ہو گئی تھی۔ دونوں ہاتھوں کو گردن سے نیچے کر کے وہ بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگا۔ پھر قدرے ریلیکس ہو کر اس کے پاس آتے ہوئے بولا۔

"...گی۔" وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتی تھی اس لیے ادھر ادھر کی خشک جھاڑی کو دیکھنے لگی۔

"ادھر دیکھو۔" وہ تیز آواز میں بولا۔

"جو چیز مجھے اچھی لگے گی میں اسے ہی دیکھوں گی۔" وہ بھی تیز آواز میں بول اٹھی۔ اس کی نظروں کی تقلید میں اس نے بھی جھاڑی کو دیکھا۔

"بات کرو۔" اس نے حکم دیا۔ وہ خاموش رہی۔ پھر فرمائش کی گئی۔

"میں کہہ رہا ہوں بولو۔" وہ گم صم بیٹھی رہی جیسے وہاں تھی ہی نہیں۔

"یہ ضد ہے۔" اس نے سوال کیا۔ وہ تو جیسے آگ میں جھلس رہی تھی پھٹ پڑی۔

"جب بولتی ہوں تو کہتے ہو مت بولو۔ جب نہیں بولتی تو کہتے ہو یہ ضد ہے۔ مجھے سمجھ یہ نہیں آتی کہ تم چاہتے کیا ہو۔ کیا ہو تم کس بات پر اتنا اکڑتے ہو تم۔ میرے ماں باپ نے مجھے بیچا نہیں ہے۔ بھیڑ بکری نہیں ہوں۔ میری مرضی چاہے بولوں یا نہ بولوں۔ جہاں دیکھوں نا دیکھوں۔" وہ بغاوت پر اتر آئی تھی۔

"تم مجھے روکنے والے ہوتے کون ہو۔ جہاں میرا دل چاہے گا میں جاؤں گی روک سکتے ہو تو روک لو۔"

اس نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا۔ ایک سگریٹ نکال کر اس نے لائٹر سے سلگایا۔ اور ہونٹوں میں دبا لیا۔ نظر پڑتے ہی اس نے اشتعال کے عالم میں اس کے لبوں میں دبا سگریٹ نکال کر دور پھینک دیا۔

"آئندہ اپنے احکام مجھ پر جاری مت کرنا۔ ورنہ بہت مایوسی ہو گی تمہیں۔"

"میں یہاں صرف اور صرف بابا جان کی بہو ہوں اور یہ تم خود کہہ چکے ہو۔" وہ دوسرا سگریٹ سلگانے لگا۔ وہ تین گہرے کش لے کر اس نے انگلیوں میں سگریٹ دبا لیا جب اس نے وہ بھی جھپٹ کر پرے پھینک دیا۔ اب کی بار اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور سگریٹ لائٹر دونوں اپنی جیب میں ڈال لیا۔ اسی پل اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دونوں چیزیں نکال کر پوری طاقت سے نیچے پھینک دیں۔ سگریٹ کا پیکٹ تھوڑا آگے جا کر پتھروں کے بیچ رک گیا جب کہ لائٹر لڑھکتا ہوا دور تک جا گرا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"بس یا باقی ہے۔" وہ زیر لب مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ اسے دہکا گئی تھی۔

"تم پر تو کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔" وہ بھڑکتے لہجے میں بولی۔

"میں صاف صاف کہہ دیتی ہوں میں تمہاری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی نا ہی تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔ اس لیے میرے پاس بھیجنے یا بات کرنے کی کوشش مت کرنا۔" وہ وارن کرنے لگی۔ وہ اس سے سخت سے سخت بات کرنا چاہتی تھی جو اسے بری لگے جس سے اس کا دل دکھے۔ لیکن اسے مناسب الفاظ نا سوجھ رہے تھے۔

"دیر ہو رہی ہے مجھے، مجھے گھر جانا ہے۔" بالآخر وہ یہی کہہ سکی۔

"ابھی ٹائم ہے۔" گھڑی پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر وہ بولا۔

"جتنی بھڑاس نکالنی ہے ابھی نکال لو۔ جتنا کچھ کہنا ہے ابھی کہو۔ یہی موقع مل رہا ہے تمہیں۔ اس کے بعد تمہارا موڈ ٹھیک ہونا چاہیے۔ جتنا غصہ کرنا ہے کر لو میں سن رہا ہوں تمہیں۔ لیکن یہاں سے اٹھنے کے بعد تم سارا غصہ بھول جاؤ گی۔" مدھم اور قطعی لہجے میں وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ اس کی بات اس کے اعصاب کو جھنجوڑ گئی۔

"میں جو کہنا چاہتی ہوں۔ تم سن نہیں سکو گے۔ اور اگر سن لو گے تو پھر چیخ چلا کر رعب ڈال کر مجھے ایک تھپڑ مار کر خاموش کروا دو گے۔ کیا بولوں میں۔ میں اس آخری موقع کو بھی مس کرتی ہوں۔ میں کچھ نہیں بولوں گی۔" اس کا لہجہ کرخت تھا۔

"اٹھو۔" اس نے اشارہ کیا اور ساتھ ہی اٹھ گیا۔ وہ دونوں پہاڑ سے اتر آئے۔ کھیتوں میں کافی عورتیں تھیں۔ پھر وہ دونوں خاموشی سے واپس آ گئے۔

✲ ✲ ✲

"چھوڑا بھی نہیں گیا ہے۔" اکثر اس کے دوست یہ کہتے رہتے تھے۔ اب کی بار یہ جملہ جمشید نے ادا کیا تھا۔

"لگ رہا ہے بدلا بدلا سا۔" دلاور بھی اس کی ہاں میں ہاں کرنے لگا۔ وہ چاروں دلاور کی بیٹھک میں بیٹھے تھے۔ پرویز پیسوں کے حساب کتاب میں مصروف اس سے لاتعلق سا بیٹھا تھا۔ وہ بھی خاموشی سے اپنے بارے میں جمشید اور دلاور کی رائے سن رہا تھا۔ کچھ دیر بعد دلاور نے سگریٹ میں چرس بھر کر سب کو سگریٹ پکڑا کر اس کی طرف بھی سگریٹ بڑھایا۔ لیکن ان تینوں کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب اس نے پینے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں پیوں گا۔"

"پینا چھوڑ رہے ہو۔" جمشید نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔" اس نے دھیرے سے جواب دیا۔

"چھوڑ سکو گے؟" دلاور آنکھوں میں شدید استعجاب لیے بولا۔

"کوشش میں کیا حرج ہے۔" کچھ توقف کر کے وہ مزید بولا۔

"میں اس عادت کو ترک کرنا چاہتا ہوں۔" اس کی بات ان تینوں کو اچھی نہیں لگی تھی۔

"بیوی نے کہا ہو گا۔" دلاور تلخی سے بولا۔

"بیوی تک بات نا لے جاؤ۔ سمجھے۔" اس نے برہمی سے کہا۔

"ارے سیدھی سی بات کر رہا ہوں پہلی والی نے اتنا تڑپایا ہے کہ دوسری کا تو غلام بن گیا ہے۔ کیوں نہ ہو آخر اتنی مشکلوں سے ملی جو ہے اور۔۔۔" اس کے نامکمل جملے کو اس کے ہاتھوں نے ادھورا کر دیا۔ اس وقت اس کے جسم میں جتنی طاقت تھی اس نے اپنے ہاتھوں میں سمو کر دلاور کے جسم پر منتقل کی۔ اس کے منہ پر سیدھے اور الٹے ہاتھ سے تھپڑ مارے۔ لاتوں گھونسوں سے اس کی اچھی خاصی تواضع کرنے لگا۔ کچھ لاتیں اس نے بھی سہیں لیکن اسے درد کا احساس نا ہوا تھا۔ درد تو صرف دل میں چھپے الفاظ سے ہو رہا تھا۔ اس درد کے سامنے یہ جسمانی درد کچھ بھی نا تھا۔ جمشید اور پرویز نے شعور کو پکڑا دلاور مغلظات بکنے لگا۔ جمشید

نے پرویز کو بہادر خان کو بلانے کے لیے بھیجا۔ کچھ ہی دیر میں بہادر خان اپنے بیٹے سمیت وہاں آ گئے۔ دونوں کو نصیحتیں کرنے لگے جس پر نہایت بدتمیزی سے شعور اٹھ کر باہر چلا آیا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ اس کے پیچھے پیچھے بہادر خان بھی چلے آئے۔ فردوس اسے دیکھ کر رونے لگیں۔

"مر گیا ہوں جو رو رہی ہو۔" وہ چلانے لگا۔

"یہ خون۔" فردوس اس کی شرٹ پر خون کے دھبے دیکھ کر بولیں۔ لیکن اس نے ان کی بات کا جواب نا دیا اور حیرت سے گنگ زبان پر برستے ہوئے بولا۔

"تمہیں کیا ہوا مجسمہ بن گئی ہو۔" وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

"روئی ہے کہ نہیں یا تم لوگ جب ماتم سے فارغ ہو جاؤ گے تو کچھ خیال آئے گا۔" اس کی بات پر سونی بھاگ کر روئی لائی۔ وہ زخم کو صاف کرنے لگی۔ خون اتنا بند ہو گیا تھا۔ زخم صاف کر کے اس نے سونی کو پانی لانے کا کہا۔ وہ برآمدے کے تخت پر بیٹھا اس وقت بڑی دگرگوں حالت میں تھا۔ تخت کے سائیڈ میں کھڑی وہ گم صم اسے دیکھ رہی تھی۔ پانی کا گلاس سونی کے ہاتھ سے لے کر وہ غٹاغٹ چڑھانے لگا۔

"بیٹا ڈاکٹر کے پاس چلو۔" وہ ان سنی کر کے کمرے میں چلا گیا۔

"جاؤ تم اسے ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے رضامند کرو۔" فردوس اسے سمجھا رہی تھیں۔ وہ یہ نہیں کہہ سکی کہ اس کے کہنے سے وہ مزید اڑ جائے گا کہ وہ ہمیشہ اس کا ساتھ ضد ہی کیا کرتا تھا۔ بس خاموشی سے سر ہلا کر وہ ڈرتے ڈرتے کمرے میں آ گئی۔ وہ بیڈ کے پاس کھڑا اپنی شرٹ اتار رہا تھا۔ شرٹ کے بٹن کھول کر اس نے شرٹ اتاری۔ وہ اس کے قریب آ کر بولی۔

"ڈاکٹر کے پاس نہیں جاؤ گے۔" وہ بیڈ پر لیٹ کر آنکھوں پر بازو رکھنے لگا۔ ایک بار پھر ڈری سہمی سی آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

"نہیں۔" اس نے واضح انکار کیا۔

"زخم گہرا ہے ڈاکٹر کو دکھانا ضروری ہے۔ اس سے آپ کو بخار بھی ہو سکتا ہے ڈاکٹر آپ کو میڈیسن دے دے گا جس سے کوئی تکلیف۔۔۔" وہ کروٹ بدل چکا تھا۔ وہ اسے سننا نہیں چاہتا تھا۔ کچھ پل وہ خاموش رہی۔ پھر اگلے لمحے وہ اس کے بیڈ کے کنارے بیٹھ کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بخار کو چیک کرنے لگی۔ جب اس کا ہاتھ زور سے جھٹکتے ہوئے وہ بیٹھ گیا۔ اور پھر پوری طاقت سے اس کے منہ پر اس نے تھپڑ مارا۔

"سمجھتی کیا ہو تم۔ عذاب بن گئی ہو میرے لیے۔ تم دونوں نے میری زندگی تباہ کر دی ہے۔ طعنہ بن کر رہ گئی ہو میرے لیے۔" اس کے چلانے پر فردوس بھاگ کر ان کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"کیا کر رہے ہو تم۔"

"کچھ نہیں تم جاؤ یہاں سے۔" وہ کسی کا لحاظ کرنے والا نہیں تھا۔

"مارا وارا تو نہیں تمہیں۔" وہ زبان سے مخاطب تھیں۔ اس نے سرنفی میں ہلایا۔ لیکن اماں کی نظریں اس کے گال پر ثبت انگلیوں کے نشان پر پڑ چکی تھیں۔ اسے خاموشی سے باہر نکلتے دیکھ کر وہ چلا کر بولا۔

"پہلے بات سنو میری پھر جانا ہے کہیں بھی چلی جانا۔" اس کے لہجے کی کڑواہٹ کا احساس اسے بخوبی ہو رہا تھا۔

"میں برا انسان ہوں۔ میرے ساتھ تمہاری زندگی برباد ہو جائے گی۔ میرے ساتھ تمہیں کوئی خوشی نہیں ملے گی۔ میں نہیں سدھر سکتا تم مجھے نہیں بدل پاؤ گی۔ اگر تم مجھے بدلنے کی کوشش کرو گی بھی تو لوگ مجھے بدلنے نہ دیں گے۔" اس کے لہجے میں دکھ کی نمی گھل گئی تھی۔

"میں تمہیں کوئی خوشی نہیں دے سکتا۔ مجھے تو آج تک اس بات پر حیرت ہو رہی ہے کہ تمہارے ماں باپ نے جانتے بوجھتے کیسے تمہیں اس آگ میں جھونک دیا۔ میں اچھا نہیں بننا چاہتا۔ اچھا بن کر میں نے بہت نقصان اٹھایا ہے۔ اچھا انسان اپنے ساتھ صرف ظلم کرتا ہے۔ وہ کسی سے کچھ کہتا نہیں چاہے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

جائز بات ہی کیوں نا ہو۔ میں اچھا تھا۔ شریف تھا۔ شرافت نے کیا دیا مجھے صرف بدنامی میں اپنے ماں باپ کے سامنے انکار نہیں کر سکا کہ مجھے اس زرین سے شادی نہیں کرنی۔ کون ہے میرا دشمن؟ میری اچھائی۔ میں اچھا تھا تب ہی لوگ میرے منہ پر جو چاہے بول دیتے ہیں۔ میری ذات کے متعلق میری بیوی کے متعلق۔ میری اچھائی کا اندازہ اس بات سے لگا سکتی ہو کہ کوئی بھی شخص منہ اٹھا کر میری پرسنل زندگی کو ڈسکس کرتا ہے میرے اور میری بیوی کے بارے میں میرے ہی سامنے کمنٹس دیتا ہے کہ تو مرد ہے یا عورت دو چار لگا کر قابو کیوں نہیں کر لیتا۔ اور میں اتنا اچھا کہ ان کی بات سن لیتا ہوں۔ میں خود کو نقصان پہنچاتا رہا۔ یہ بھی میری اچھائی ہے۔

اچھائی نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ میں برا بن گیا۔ اب میں برا ہوں۔ میری برائی میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ کوئی برا الفاظ بن سکے۔ اب میرے ہاتھوں برا کہنے والوں کی ٹھکائی ہوتی ہے۔ وہ ایک کہتے ہیں میں دس کہتا ہوں۔ وہ میری بیوی کے متعلق بولتے ہیں میں ان کی توجہ ان کی اپنی بیوی، بیٹیوں کی طرف موڑ دیتا ہوں اب ہر کوئی بولنے سے پہلے دس مرتبہ سوچتا ہے۔ مجھے زندگی گزارنے کے لیے بس یہی ہتھیار چاہیے۔" وہ کچھ پل کے لیے خاموش ہوا پھر یاس زدہ انداز میں بولا۔

"مجھے کوئی جینے نہیں دیتا۔" اس پل اس کی الجھن بھری نظریں اس کا مغموم لہجہ اس کے اندر کے غم کی گہرائی کی نشاندہی کر رہا تھا۔

"جو درد لوگوں نے دیا ہے وہ دھیرے دھیرے جسم کو شکنجے میں جکڑ رہا ہے۔ یہ دکھ کینسر کی طرح مجھے کھا جائے گا۔ کتنے گھاؤ ہیں میری روح پر تم نہیں جانتیں۔ کتنے دکھ ہیں یہاں تمہیں نہیں پتہ۔" اس کے چہرے پر پھیلے کرب آمیز تاثرات سے اس کا دکھ واضح تھا۔

"اس نے مجھے رد کر کے مجھے دنیا کے لیے ایک تماشا بنا دیا ہے۔" وہ بڑے دکھی لہجے میں بولا۔

"جو باتیں میں نے سنی ہیں اگر وہ تم سنتیں تو تمہیں پتہ چلتا۔ بتاؤ سن سکو گی تم؟" وہ ترشی سے کہتا بڑا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

"جو میں نے سنا ہے۔" وہ "اگر تم بھی سنتیں تو تم بھی وہی کرتیں جو میں کر رہا ہوں۔"

"لوگوں کی زبان بند کرنے کے لیے جو کچھ تم نے کیا۔ کر رہے ہو کیا یہی طریقہ علاج تھا۔ کیا ملا اس سے تمہیں۔ صرف تمہارا نقصان ہوا ہے۔ صرف تمہارا۔ بہرحال تم بری راہ اپنائے بغیر بھی اس مسئلے کو ہینڈل کر سکتے تھے۔ اگر نہیں کر سکتے تھے تو کوئی بات نہیں اب تو کر سکتے ہو۔ اس وقت تمہیں جو ٹھیک لگا وہ تم نے کیا۔ لیکن اب تو کم از کم تمہیں یہ سب ترک کر دینا چاہیے۔"

"تم مجھے برا سمجھتی ہو۔" وہ اس کے چہرے پر کے تاثر کو کھوجنے لگا۔

"میرے سمجھنے نا سمجھنے سے کیا ہوتا ہے۔ باقی سب تو یہی سمجھتے ہیں نا۔"

"میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔" اس کا انداز سوالیہ تھا۔

"تب تک جب تک تم برے کاموں سے ہاتھ نہیں چھڑاؤ گے۔" وہ کہہ کر رکی نہیں چلی گئی۔ جبکہ وہ بیڈ پر اوندھا لیٹ کر دلاور کو سوچنے لگا۔

اس معاملے کا کوئی سرا ہاتھ نا آتے دیکھ کر زرین کے ماموں وغیرہ نے بالآخر زرین کے معاملے پر مٹی ڈال کر اپنے بیٹے حسن کی شادی طے کر دی۔ زرین کو پتہ چلا تو وہ خوب روئی۔ سکینہ الگ دلگرفتہ تھیں۔ زرین کے ننھیال کی خواہش پر پانی پھر گیا۔ یوں حسن کی شادی کر دی گئی۔ حسن کی شادی اور زرین کی مایوسی نے شعور کے دل میں اطمینان بھری لہریں دوڑا دی تھیں۔

☆ ☆ ☆

بہار آتے ہی ہر طرف سبزہ تھا۔ دور دور تک ہریالی ہی ہریالی تھی۔ ہلکے ہلکے سفید بادل آسمان کی وسعتوں میں تیرتے عجیب سرمستی کی کیفیت پیدا کر رہے تھے۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا روح کو سرشار کر رہی تھی۔ آج جب اس نے شعور کے سامنے باہر جانے کی خواہش کی تو وہ بلا چوں و چرا مان گیا جس پر اسے کچھ حیرت بھی ہوئی تھی۔ کافی فاصلہ طے کر کے وہ ندی والے باغ سے ملحقہ کھیتوں میں پہنچ گئے۔ بہت سی عورتیں سبزیاں توڑنے کچھ اپنے مویشیوں کے لیے چارہ لینے جا رہی تھیں۔ کھیت میں چلتے چلتے دونوں کی نگاہ پگڈنڈی پر بیٹھی زرین پر پڑی۔ اس کی ماں بھنڈی توڑنے میں مصروف تھی۔ اور وہ بے زاری شکل بنائے شاید ہوا خوری کر رہی تھی۔ وہ کھیتوں کے بیچ نالا تھا جس کے کنارے وہ بیٹھی تھی۔ اس نے قریب آتے شعور اور زبان کو دیکھا۔ زبان کی نظر بڑے بے ساختہ انداز میں شعور کی جانب اٹھی۔ اپنے کالر کو گردن سے پیچھے کر کے دونوں ہاتھ باری باری اپنے بالوں میں پھیر کر اس نے ایک بڑی گہری نظر سے زرین کو دیکھا۔ پھر بڑی دلکشی سے ہلکی سی چھلانگ لگا کر اس نے نالا عبور کیا۔ اور پھر زبان کی طرف منہ کیے کھڑا ہو گیا۔ زرین دونوں کو خون آشام نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ زبان نالے سے چھلانگ لگانے والی تھی جب شعور نے اسے روک لیا۔ آگے بڑھ کر تھوڑا سا اپنے آپ کو جھکا کر اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتی اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچ لیا وہ ایک جھٹکے سے دوسرے کنارے پر آ گئی۔ اور ہکا بکا سی زرین کو دیکھنے لگی جس نے اپنی نظریں موڑ لی تھیں۔ وہ نالا اتنا بڑا نہیں تھا وہ اس نالے کو کئی بار کر چکی تھی۔ اسے شعور کی حرکت کچھ کچھ سمجھ آ گئی تھی۔ وہ بہت گہری مسکراہٹ سے کہنے لگا۔ "... اور تو دکھائیں۔" پھر بڑے ملائم انداز سے اس کا ہاتھ سہلانے لگا۔ اس کے ڈرامے پر وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گئی۔ زرین ہنوز بیٹھی خود کو لاپرواہ ظاہر کر رہی تھی۔ اس نے آگے بڑھنے سے پہلے اس کو سلام کیا جس کا جواب اس نے بڑی رکھائی سے دیا۔ کچھ آگے جا کر وہ [illegible] لہجے میں بولی۔

"آج مجھے پتہ چلا کہ تم زرین سے بہت محبت کرتے ہو۔" وہ چلتے چلتے رک گیا۔ وہ بھی رک گئی چند لمحوں بعد وہ پھر سے چل پڑا۔ وہ چلتے چلتے کہنے لگی۔

"بلکہ میرا خیال غلط ہے تم اس سے عشق کرتے ہو۔" وہ مسکرانے لگا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟" اس کے استفسار پر وہ چپ ہی رہا۔

"جواب دو مجھے۔" اس کے تحکمانہ انداز پر ایک بار پھر اس کے ہونٹوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ ابھری۔

"یہ حرکت کیوں کی تم نے۔" اس پر کچھ اثر نا ہوتے دیکھ کر ایک بار پھر اس نے سوال کیا۔

"کون سی حرکت؟" معصومیت سے کہتا اس پل وہ اسے دنیا کا واحیات ترین انسان لگا۔

"تم نے اسے جلانے کے لیے یہ ڈرامہ کیا۔" اس کی خاموشی پر وہ چلائی۔

"تم سے کہہ رہی ہوں میں۔"

"صرف اسی بات کا جواب دوں گا جو صرف میرے اور تمہارے متعلق ہوگی۔" مڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نہایت سخت لہجے اور سنجیدگی بھرے انداز سے اس نے کہا۔ وہ دم بخود کھڑی رہ گئی۔

سبحان ہر وقت اس سے پڑھنے یا کوئی کاروبار کرنے کا کہتے رہتے تھے۔

"آوارہ گردی کرتے نا دیکھوں تمہیں۔ اب تمہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے کب تک باپ کے آسرے پر پڑے رہو گے۔" ایک دن انہوں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔ جس پر گھر آ کر وہ کافی بگڑا بھی تھا۔ کہ ماموں نے اسے نصیحت کیوں کی۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اگر وہ آوارہ گرد ہے تو اپنی بیٹی کو اس آوارہ گرد سے چھڑا کر لے جائیں۔ فردوس اس سے عاجز آ گئی تھیں اور وہ نہایت ناامید۔

صبح کو گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ پورے گھر میں لائٹس آن کر دی گئیں۔ صبح کے وقت شام کا سماں ایک عجیب حسن پیش کر رہا تھا۔ وہ برآمدے کی سیڑھی پر بیٹھی آسماں کو تکے جا رہی تھی۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں جا کر ان سے کھانے کا پوچھو۔" چہرے پر ناگوار تاثرات لیے اس نے اس سے کہا اور باہر چلا گیا۔ وہ فردوس کے پاس آ گئی۔ انہیں ہلکا ہلکا بخار تھا۔ ٹیبلٹ دے کر وہ ان کا سر دبانے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ اندر کمرے میں آیا اسے اتنا جلدی آتا دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔ ایک نظر اس پر ڈال کر وہ فردوس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ وہ فردوس کے سرہانے بیٹھی تھی۔ ان کے سامنے اس کے اتنے قریب بیٹھنے پر وہ خاصی شرمندگی محسوس کرنے لگی۔ اس نے اپنا ہاتھ ان کے ماتھے پر رکھا۔ "زیادہ تکلیف تو محسوس نہیں ہو رہی" اس کے پوچھنے پر جیسے وہ نہال ہو گئیں۔

"نہیں میری جان پریشان نہ ہو مجھے کچھ نہیں ہوا۔ بس ہلکا سا بخار ہے ٹھیک ہو جاؤں گی۔" اس کے ہاتھ پر بوسہ دے کر انہوں نے تسلی دینے لگیں۔

"اٹھنے کی ضرورت نہیں ہے جس چیز کی بھی ضرورت ہو اس سے کہہ دینا۔" اس نے زبان کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے ٹھیک ہوں اس بچاری کو کیوں پابند کر رہے ہو۔" انہوں نے پیار بھری نظروں سے زبان کو دیکھ کر کہا۔

"ادھر ادھر پھرتی نظر نہ آؤ مجھے۔ یہاں بیٹھ کر اماں کا خیال رکھنا۔" اسے ہدایت دے کر وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں گیا۔

اماں کے لیے اس نے کھچڑی بنائی۔ آج دوپہر کو وہ گھر پر موجود تھا اس لیے اس نے اس کی پسند کی بریانی ساتھ میں چپلی کباب بنائے دہی کی چٹنی بھی ضروری تھی۔

وہ روٹی بنا رہی تھی۔ جب وہ کچن میں آیا۔

"اماں کو کچھ کھلایا ہے یا نہیں۔" "یوں جیسے نا کھلانے کی غلطی کر بیٹھی ہو تو فوراً پھانسی پر چڑھا دی جائے گی۔

"جی۔" گلے سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

"کیا جی۔" استفسار کیا گیا۔

"کھا چکی ہیں۔

"چائے بنا دو میرے لیے۔" وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ وہ بری طرح نروس ہو گئی۔ روٹی جل گئی تھی۔ اس نے چولہا بند کر دیا۔ اور یوں ہی کھڑی رہ گئی۔

"چائے کا کہا ہے میں نے۔" اسے گم صم وہاں کھڑے دیکھ کر اس نے دھیرے سے کہا۔ وہ اس کی گھبراہٹ دیکھ چکا تھا۔

"کھانے کا وقت ہے۔"

"یعنی چائے نہ پیوں۔" اس نے رائے جاننا چاہی تھی یا طنز کیا تھا وہ کچھ سمجھ نہ پائی۔

"میں بنا تی ہوں۔" اس نے چولہا آن کیا۔

"کھانا کھلاؤ گی یا جاؤں۔" اس کا لہجہ سادہ تھا۔ وہ چائے اور کھانے میں پزل ہو کر رہ گئی۔ جھنجلاہٹ عروج پر تھی۔ وہ جھنجلا کر بولی۔

"آپ چائے پئیں گے یا کھانا کھائیں گے۔" اس کے چہرے پر الجھن تھی۔

"جو تم چاہو۔ اگر زہر بھی پلاؤ گی تو وہ بھی پی لوں گا۔" یہ طنز تھا یا غصہ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ بولا۔ "رہنے دو نوید کے گھر کھاؤں گا۔" وہ مڑ کر جانے لگا۔ یکدم سے جیسے وہ خیالوں کی دنیا سے باہر نکلی۔

"سنور کو پلیز۔" وہ کچن کے دروازے میں تھا جب بھاگ کر اس نے اسے شرٹ سے کھینچ کر روک لیا۔ وہ رک گیا۔ اور پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ خفت سے سر جھکائے بولی۔

"میں نے آپ کی پسند کا کھانا بنایا ہے۔" اس نے ایک گہری سانس لی اور پھر بالوں میں ہاتھ پھیر کر تھوڑا سا جھکتے ہوئے مدھم لہجے میں بولا۔

"میرے دل کا راستہ معدے سے ہو کر نہیں جاتا۔" وہ جو کسی اور بات کی توقع کرنے لگی تھی اس فضول گوئی پر اسے خاموش نظروں سے دیکھ کر اسے [illegible] کر گئی۔

"نوید تمہارا انتظار کر رہا ہو گا۔"

"بھوک لگی ہے کھانا دو۔" وہ اس کے سرخ چہرے کو دیکھتا بولا۔

"اپنی بہن سے کہو۔ وہ دے گی تمہیں۔ میرے ہاتھوں دیے گئے کھانے سے شاید تمہارا دل اپنا راستہ بدل دے۔" وہ مسکرایا۔

ایک دن اس نے اچار گوشت کی فرمائش کی تھی۔

"سونی سے کہہ دو وہ بنا دے گی۔" اس نے انکار کیا۔

"تم بناؤ۔"

میں نہیں بنا سکتی۔ تمہارا دل اور معدہ بغاوت نا کر دیں۔" سنجیدگی سے کہتی وہ ڈرامہ دیکھنے میں منہمک ہو گئی۔

"اسی بات کو لے کر بیٹھ گئی ہو۔" نارمل لہجے میں کہہ کر وہ ریموٹ اس کے ہاتھ سے لے کر اپنی پسند کا گانا دیکھ کر اس کا والیوم تیز کرنے لگا۔

"تم نے غلط بات کی تھی۔" وہ اس کی غلطی کو ثابت کرنے پر تلی بیٹھی تھی۔ تنگ آ کر اس نے بات ختم کی۔ فون کی بیل پر اس نے Mute کا بٹن دبا کر والیوم بالکل بند کیا۔ اور زبان نے کال ریسیو کی۔

"آپ کا فون۔" اس نے ریسیور اسے پکڑایا۔

دوسری طرف کی بات سن کر وہ بولا۔

"ہاں یار میں چلا جاتا پر میری بیوی کو اپنے رشتے دار کی شادی میں لاہور جانا پڑ رہا ہے۔ میں اسے وہیں لے کر جاؤں گا۔ یقین کرو یار، جھوٹ تھوڑی بول رہا ہوں۔ یار بہانہ کیوں بناؤں گا۔ سچ کہہ رہا ہوں۔" اس کے سفید جھوٹ پر اسے بھی سچ کا گمان ہونے لگا۔

"تمہیں یقین نہیں آ رہا۔ لو کے اس سے بات کرو۔" اس نے اشارے سے زبان کو بلایا۔ اس نے سر نفی میں ہلایا۔ اس نے برہم نظروں سے ایک بار پھر اشارہ کیا لیکن اس نے ایک بار پھر انکار کیا۔

"یار وہ بات نہیں کرنا چاہ رہی۔" دوسری طرف سے شاید اسے جھوٹا کہا جا رہا تھا۔ اس لیے وہ ہولڈ آن کہہ کر اسے بازو سے پکڑ کر فون کے پاس لے آیا۔

"بات کرو۔" سختی سے کہتا وہ گرجا۔

"بھابھی یہ سچ کہہ رہا ہے آپ سچ مچ جا رہی ہیں۔"

"جی۔" کہہ کر اس نے یکدم سے ریسیور اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ ریسیور اس کے ہاتھ سے لے کر وہ کچھ پل اسے گھورتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے فون بند کر دیا۔ وہ اس کے پاس بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔ کچھ پل اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ بیڈ پر لیٹ کر اس کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر بولا۔

"مجھ سے جھوٹ بلوایا ہے تو اس کا کچھ مداوا بھی کرو۔" وہ اس کی بات پر متحیر رہ گئی۔

"سر دبا دو۔" وہ اس کی اس بے سروپا بات پر الجھ کر رہ گئی کچھ دنوں سے اس کی رنگت کملا سی گئی تھی۔ اس کے چہرے پر تھکن اور زردی نمایاں تھی۔ وہ کافی نڈھال دکھائی دے رہا تھا۔ شروع میں وہ سر درد کچھ رہی تھی یا ہلکی سی تھکن لیکن مسلسل کچھ دنوں سے بگڑتی حالت نے اسے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس تشویش کا ذکر اس نے فردوس کے سامنے کر دیا۔ انہوں نے جب اس کی طبیعت کی بابت پوچھا۔ تو اس نے ٹال دیا۔ وہ بار بار اسے ڈاکٹر کے پاس جانے کو کہتی رہیں اور وہ ٹھیک ہو جاؤں گا کہہ کہہ کر ٹالتا رہا۔ ادھر وہ اس کی بے جا ضد پر تلملا رہی تھی۔ وہ اپنے وجود کا دشمن بن بیٹھا تھا۔ فردوس کے رونے چلانے پر وہ بادل ناخواستہ مان گیا۔ رپورٹس میں ٹائی فائیڈ نکلا۔ بیماری کی حالت میں بھی وہ ٹک کر بیٹھنے والا نہیں تھا۔ پرہیزی کھانا کھانے سے انکار کر دیتا۔ آج بھی اسے بخار تھا۔ وہ اٹھ کر پر شکن کپڑوں میں باہر نکلنے لگا۔ وہ کچن میں مصروف تھی۔ کچن کی کھڑکی سے غیر ارادی طور پر اس کی نظریں گیٹ کی طرف اٹھیں تو یکدم برتن چھوڑ کر اس کے پیچھے بھاگی۔ اس سے پہلے کہ وہ گیٹ پار کر جاتا اس نے تیز آواز میں اسے پکارا۔

"سنور کو تم۔" وہ یکدم سے پلٹ کر سوالیہ نگاہوں سے تکنے لگا۔ وہ اس تک پہنچ گئی۔ تیز بھاگنے کی وجہ سے وہ ہانپنے لگی۔ کچھ دیر تک تو وہ کچھ بول ہی نہ پائی پھر قدرے ریلیکس ہوئی تو بولی۔

"اندر چلیں۔ آپ کے لیے زیادہ چلنا پھرنا ٹھیک نہیں۔" اس کی بات پر شعور کی رگیں تن گئیں۔ شاید وہ کسی ضروری بات کے تحت رکا تھا۔ اس کی فضول

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کوئی پر پھر سے چل پڑا۔
"پلیز رکیں۔" وہ اس کے آگے کھڑی ہوئی۔
"آپ کے لیے گھومنا پھرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس سے آپ کو یرقان بھی ہو سکتا ہے۔" وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔
"کچھ نہیں ہوتا ہٹو سامنے سے۔" اسے ہٹنے کا اشارہ کر کے وہ جانے کو پر تول رہا تھا۔ وہ آگے ڈٹی کھڑی رہی۔ اسے یوں جمے دیکھ کر اس نے بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سونی صحن کے بیچوں بیچ کھڑی حیرت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ بھائی کے دیکھنے پر فوراً رخ موڑ کر چوزوں کو دانہ ڈالنے لگی۔ اس نے کچھ چوزے پالے تھے جن کی دیکھ بھال کرتی تھی۔
"سونی دیکھ رہی ہے۔" اس نے دھیرے سے سمجھانا چاہا۔
"دیکھنے دو۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔ اس کی بات پر ایک بار پھر وہ نا چاہتے ہوئے دھیرے سے بولا۔
"اپنے جیسا بنانا چاہتی ہو اسے۔" وہ اس کے طنز کو تحمل سے برداشت کر گئی۔
"ہاں۔" اس کے برجستہ جواب نے شعور کی راہ مسدود کر دی۔
"ہٹو سامنے سے۔"
"نہیں۔" اس کے انکار پر اب کی بار اس نے بے ساختہ پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سونی چوزوں کو پکڑ کر پنجرے میں ڈال رہی تھی۔ بہن کی موجودگی میں وہ خود پر کنٹرول کر گیا۔ پلٹ کر وہ کمرے میں چلا گیا۔ وہ فاتحانہ نگاہوں سے اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔ کمرے میں اسے آتے دیکھتے ہی وہ دل کی بھڑاس نکالنے لگا۔
"سونی کی موجودگی میں یہ نخرے نہیں کرو گی۔ سمجھیں تم وہ بچی ہے غلط اثر لے سکتی ہے۔" اس نے اس کی بات کو میٹھے شہد کی طرح نگل لیا تھا وہ اسے روکنے میں کامیاب ہو گئی تھی اس کے لیے یہی بہت تھا۔
پچھلے ایک دو دن سے اس کا بخار اتر ہی نہیں رہا تھا۔ وہ اس دوران نا تو کچھ کھا رہا تھا نا پی رہا تھا۔ کھیر اسے دینے آئی تو اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔
"بہت اچھی بنی ہے۔" وہ منت سماجت پر اتر آئی۔
"نہیں کھانا۔" اس نے واضح انکار کیا۔
وہ بستر پر اس سے ذرا ہٹ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔
"کیا کھائیں گے جو کہیں گے بنا دوں گی۔" اس کی آواز میں بے بسی اور بے چارگی گھل مل گئی تھی۔
"دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے روکھے پن سے کہا۔
"پلیز تھوڑا سا کھانے کی کوشش کریں۔" وہ قائل کرنے لگی۔ باؤل سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بولی۔
"پلیز۔"
"کہا نا نہیں کھانا۔ جاؤ یہاں سے۔" وہ طیش میں آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں یکدم آنسو آ گئے۔ آنسو بہنے لگے۔ پھر جانے کیوں رونے کی شدت میں اضافہ ہوا۔ وہ خاموشی سے بہتے آنسوؤں کو دیکھنے لگا۔ پھر اٹھ کر بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر اسے خاموش نگاہوں سے دیکھنے لگا۔
"باؤل دو۔" کچھ دیر بعد خاموش لب بول اٹھے۔ اس نے باؤل اسے پکڑا دیا پر اب بھی اس کی آنکھوں سے خاموش موتی بکھرتے رہے۔ اس نے بھی ایک لفظ مزید نا کہا تھا نا ہی اس نے اسے چپ کرانے کی کوشش کی تھی۔ کھیر کھانے کے بعد اس نے باؤل واپس کر دیا اور اس نے نہایت خاموشی سے تھام کر نا اسے دیکھے کمرہ چھوڑا۔ کچھ دنوں میں بخار اتر گیا۔ جوں ہی بخار اترا وہ باہر نکلنے لگا۔ بامشکل پندرہ دن تک وہ اسے پرہیزی کھانا کھلا پائی تھی۔ بعد میں اس نے وہی کیا تھا جو اس کی مرضی تھی۔ زبان کو سمجھ نہیں آئی تھی کہ آخر وہ انتقام کس سے لے رہا تھا۔
وہ بات بات پر غصہ کرنے لگا تھا۔ ذرا سی بات کو بڑھاوا۔ ایک دن اس نے غلطی سے پوچھ لیا۔
"کہیں جا رہے ہیں۔" تو وہ خونخوار لہجے میں چلا کر بولا۔
"ہر وقت پوچھنے مت کھڑی ہو جایا کرو۔" وہ ہر بار کاٹ کھانے کو دوڑتا۔ وہ دن رات اپنے اور اس کے مستقبل کا سوچ کر کڑھتی رہتی۔

"کیا ساری زندگی یوں ہی گزارے گی۔" وہ نا امیدی کے اتھاہ اندھیروں میں خود کو گم ہوتا دیکھ رہی تھی۔ اس کے عتاب سے بچنے کا ذریعہ یہی تھا کہ وہ اس کا سامنا ہی نا کرے۔ وہ اب اس کا سامنا کم سے کم کرتی۔ کبھی وہ اس بات پر چلاتا کہ وہ اس سے بھاگتی کیوں ہے بولتی کیوں نہیں۔ اور وہ ڈر کے مارے اس کے پاس بیٹھی رہتی۔ وہ آگ کے شعلوں میں کھڑی بس چاروں جانب پھیلے سناٹے اپنی رگوں میں اتار رہی تھی اس کے اندر سناٹے بھر گئے تھے۔ اس نے اس کے وجود کو ساکت کر دیا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی لیکن اندر کی خاموشی کچھ بھی سننے سے انکار کر دیتی۔
پچھلے دو مہینوں سے یہی ہو رہا تھا۔ اس کی نیند بھی اس سے روٹھ چکی تھی۔
رات کو کروٹ لیتے اس کی آنکھ کھلی۔ دوبارہ آنکھیں موند کر اس نے سونا چاہا۔ جب یکدم سے اس نے پھر سے آنکھیں کھولیں۔ کمرے میں زیرو بلب کی ہلکی نیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے کمرے میں نگاہ دوڑائی وہ نہیں تھی باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا وہاں بھی نہیں تھی۔ پھر اٹھ کر وہ دروازے کے قریب گیا دروازہ کھلا تھا۔ واپس آ کر اس نے سلیپر پہنے اور باہر آیا۔ برآمدے میں کوئی نہیں تھا۔ برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر وہ صحن میں چلا آیا۔ چودھویں کا چاند تھا۔ ہلکی ہلکی چاندنی پھیلی ہوئی تھی صحن کے بیچوں بیچ وہ بیٹھی نظر آئی سر نفی میں ہلاتے ہوئے وہ اس کے پاس چلا آیا۔ وہ دونوں گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ اسے محسوس ہوا وہ رو رہی تھی۔ چند لمحوں تک وہ کھڑا اسے روتے دیکھتا رہا تھا کسی کے وجود کے احساس کے تحت اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ اس کے قریب کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے آنسو صاف کیے اور انگلیوں سے گھاس نوچنے لگی وہ دیکھ رہا تھا اب بھی اس کے آنسو تسلسل سے بہہ رہے تھے۔
"میری شکایت کر رہی تھیں۔" اس کی دھیمی آواز اس کے گرد پھیلی تھی۔
"کس سے۔" اس کی آواز بمشکل بند ہونٹوں سے نکلی۔
"اللہ سے۔" وہ عجیب سی آواز میں کہہ گیا۔ وہ خاموشی سے گھاس پر انگلی پھیر رہی تھی۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اب اس کے ہونٹوں سے دبی دبی سسکیوں کی آواز نکل رہی تھی۔ وہ اس کے لرزتے وجود پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔
"رات کے ساڑھے تین بجے تم رو رہی ہو۔ تمہیں پتہ ہے کہ تمہارا رونا مجھے ایک برے انجام سے دوچار کر سکتا ہے۔ تمہیں پتہ ہے کہ اللہ تمہارے آنسوؤں کے بدلے مجھے کس عذاب سے دوچار کرے گا۔ یہ صرف اس معبود حقیقی کو خبر ہے۔ تم رو دل کھول کر روؤ۔ تاکہ اللہ کو تم پر رحم آئے اور مجھے میرے گناہوں پر عبرتناک سزا دی جائے۔ مجھ جیسا بندہ اس کا مستحق ہے۔" اس کی مغموم آواز پر آنسو شدت اختیار کر گئے۔ خاموشی میں ان کے درد گھل مل گئے تھے۔
"کوئی نہیں میرا جس سے میں کچھ کہہ سکوں۔" چند پل کی رائج خاموشی کو اس کی سسکتی آواز نے توڑا۔
"جو میرے قریب ہیں وہ سمجھ نہیں سکتے اور جو سمجھ سکتے ہیں وہ مجھ سے بہت دور ہیں۔ مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ میں دن رات اپنی وہ غلطی ڈھونڈتی رہی ہوں جو تمہارے قہر کے سبب بن جاتی ہے۔ میں سارا دن اس خوف میں گزارتی ہوں کہ مجھ سے کوئی غلطی نا ہو جائے۔ میں اپنے گناہ کو سوچتی ہوں ڈھونڈتی ہوں جو جانے انجانے میں مجھ سے سرزد ہوا ہے۔ جس کی سزا مجھے تمہاری بیگانگی اور تمہاری بے اعتنائی کی صورت میں مل رہی ہے۔ میں نے کوئی گناہ کیا ہے جو مجھے اس کی سزا مل رہی ہے۔ تم جو چاہتے ہو وہ کرتی ہوں۔ لیکن تم پھر بھی ناراض ہوتے ہو۔" اس کی دھیمی لرزتی آواز اس کے بے تحاشا دکھ کی ترجمان تھی۔
"لوگوں کے چنے گئے راستے پر تم چل رہے ہو لیکن اپنے سے قریب منتخب کردہ راہ پر چلنے کو تیار نہیں۔ راہیں تو بدلتی رہتی ہیں۔ میں مانتی ہوں لیکن صحیح منزل تک پہنچنے کے لیے تو صحیح راستہ ہی لے جا سکتا ہے نا۔"

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

تم خود تو کمزور پڑ چکے ہو لیکن مجھے بھی کمزور بنا رہے ہو۔ مجھے اس نہج پر لے جا رہے جہاں ہر چیز سے بھروسہ یقین ختم ہو جاتا ہے۔ تم مجھے مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں تک لے جا رہے ہو۔ تم تو راہ بھٹک کر اپنی منزل سے دور بھر رہے ہو لیکن مجھے بھی گم راہ کرنا چاہتے ہو۔ میں اپنی راہ سے بھٹکنا نہیں چاہتی۔ میں راہ گم نہیں کرنا چاہتی۔ نادیٹی نادیاوی۔ تم اگر اپنی راہ پر واپس نہیں آنا چاہتے تو نا سہی۔" وہ اشک بہاتے مسلسل بول رہی تھی۔

"مجھے... مجھے تو صرف دعاؤں پر سے یقین اٹھنے سے ڈر لگتا ہے۔ میں کہیں دور نہ نکل جاؤں جہاں سے واپسی ممکن نا ہو پلیز میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کہ میرے لیے تم امتحان مت بنو مجھے بھٹکنے سے ڈر لگتا ہے۔" وہ اسے گم صم سن رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

کافی عرصہ بعد سبحان اس کے ہاں آئے تھے فردوس ان کی خاطر مدارات کر رہی تھیں وہ ان کے پاس بیٹھی سب کے متعلق پوچھ رہی تھی شعور بھی شرافت سے بیٹھا ان دونوں کو سن رہا تھا۔

"تم سناؤ۔" وہ شعور کو مخاطب کر کے بولے۔

"کچھ کرنے کا سوچا ہے کہ نہیں۔ اب تو تمہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔" وہ اسے سمجھانے لگے۔ وہ بس خاموشی سے انہیں سنتا رہا۔

"ابو یہ سوچ رہے ہیں کاروبار کے متعلق۔" اس کے سفید جھوٹ پر وہ خود ہکا بکا رہ گیا تھا۔ "ہاں تو ٹھیک سوچ رہا ہے ایسے تھوڑی کام چلے گا۔" انہوں نے اس کی بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا تھا۔

"میں نے کاروبار کا کب کہا ہے؟" اس نے بڑی حیرت سے پوچھا۔

"کہا نہیں تو کہیں گے۔" معصومیت سے کہتی برتن اٹھا کر لے گئی۔

کچھ دن بعد وہ اسے میکے لے کر گیا۔ کچھ دیر تک وہ ممانی کے کہنے پر رکا رہا پھر چلا آیا۔ زبان نے وہ دن رکنے کا کہا تھا۔ وہ دن تو جیسے تیسے کٹ گئے۔ تیسرے دن اسے آنا تھا۔ وہ صبح سے لاشعوری طور پر اس کا انتظار کرنے لگا۔

صبح سے آسمان پر بادل برسنے کو بے تاب دکھائی دے رہے تھے۔ چھم چھم برستی بارش نے ہر چیز کو نہلا دیا تھا۔ تیز بارش نے باہر نکلنے کا چانس ختم کر دیا۔ مٹی کی بھینی بھینی خوشبو ہر سو پھیل گئی تھی۔ تازہ کھلے پھول قدرت کی اس نعمت پر جھوم اٹھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کائنات کا ذرہ ذرہ خوشی سے جھوم رہا ہو۔ حسین ماحول حسین نظارہ جسم و جاں میں ایک مستی ایک خمار پیدا کر رہا تھا۔ برآمدے میں کھڑا وہ اس وقت قدرت کی اس حسین نعمت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"اسے برستی بارش کتنی اچھی لگتی ہے۔ اگر اس وقت وہ یہاں ہوتی تو کیا کر رہی ہوتی۔ میرے کان کھا رہی ہوتی۔ میرا دماغ چاٹ رہی ہوتی۔ مجھے تنگ کر رہی ہوتی۔ یا پھر خوشی سے گنگناتے ہوئے چھوٹی چھوٹی چیزوں کی جانب میری توجہ دلاتی۔ "وہ دیکھو وہ چونعال سے بارش میں بھیگ کر گیلا ہو رہا ہے۔ یا پودے درخت نکھر رہے ہیں وغیرہ۔" اس کا خیال آتے ہی اس کے لب آپ ہی آپ مسکرا اٹھے۔

"کیا کر رہی ہوگی اس وقت۔" دل میں اسی کو سوچتا وہ بارش کو انجوائے کر رہا تھا۔ دن بھر بارش ہوتی رہی۔ شام تک وہ اس کے آنے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ نہیں آئی۔ اس کو عجیب سی جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔ ہر چیز ادھر ادھر پٹخ کر غصہ اتارنے لگا۔ ساری رات بے چینی سے گزار کے صبح شہر چلا گیا۔ اپنے لیے شاپنگ کر کے سارا دن وہاں اس نے اپنے دوستوں کے ہمراہ گزارا۔ شام کو وہ گھر آیا۔ جان بوجھ کر زبان کی طرف نہیں دیکھا تھا وہ گھر میں موجود تھی بنا کوئی بات کیے وہ شاپنگ بیگ رکھ کر باہر نکل گیا وہ اس کی بے اعتنائی کی عادی تھی۔ وہ شاپنگ بیگز میں سے چیزیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اس نے اپنے لیے شاپنگ کی تھی۔ چیزیں واپس بیگ میں ڈال کر وہ باہر آئی۔ اماں کے کمرے میں آکر اسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ اماں کے بستر پر لیٹا تھا

"سمجھ رہی تھی کہ وہ کہیں باہر نکل گیا ہے۔ وہ اٹھ کر ... لگی۔

"مجھے ڈسٹرب نہ کریں میں سونے جا رہا ہوں۔" وہ ... گیا۔ اس کی اس عجیب و غریب حرکت پر وہ الجھ کر رہ گئی۔

"کھانا لاؤں۔" اس نے عام سے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" کرخت انداز میں کہہ کر اس نے جیسے غصہ نکالنا چاہا۔ وہ اوندھا لیٹا سونے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس کے اس قدر اجنبی رویے پر حیران تھی۔ یہ ٹھیک تھا کہ وہ اس سے کبھی کبھار ہی اچھے موڈ میں بولتا تھا۔ لیکن اس قدر روکھا رویہ۔ وہ تو اس وقت کافی بگڑا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ مزید بولنے کا ارادہ ترک کر کے کمرے سے نکل گئی۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس نے نماز پڑھی۔ پھر کمرے میں آکر اس نے نیچے کارپٹ پر ... بچھانا چاہا تو وہ بولا۔

"لائٹ آف کر کے میرے پاس آؤ۔" اس کا دل یکبارگی دھڑک اٹھا۔

"لائٹ آف کر کے میرے پاس آؤ۔" حکم بھری آواز پر وہ دھیرے دھیرے دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے پاس گئی۔

☼ ☼ ☼

ان دنوں وہ بہت خوش تھی خوشی کی وجہ سے وہ خوشخبری تھی کہ جس نے ہر ایک کو مسرور کر ڈالا تھا۔ ... کی پریگننسی کا سن کر شعور نے کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔ جس پر زبان کو رنج ہوا تھا۔ ایک نہایت اہم ... جو اسے زندگی کی سب سے بڑی خوشی لگی وہ ... کا تھرڈ ایئر میں ایڈمیشن تھا۔ عنایت اللہ یہ سن کر ... دیر تک روتے رہے تھے اور کچھ بول ہی نہ پائے ...

تعلیمی دور میں وہ ہمیشہ بیسٹ اسٹوڈنٹ رہا تھا۔ ... کی کتابیں ملیں تو جیسے وہ سب سے کٹ کر رہ گیا۔ ... وقت بھی وہ کتاب کھولے پڑھ رہا تھا۔ وہ کسی کام ... کمرے میں آئی۔ اسے دیکھ کر اس نے کتاب بند کر دی۔ اور اس کو اپنے پاس بلایا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ کر بولی۔

"کیا بات ہے؟"

"باتیں کرو مجھ سے۔" لیٹتے ہوئے وہ مخمور سی آواز میں بولا۔

"تمہیں پڑھنا ہے۔" وہ یاد دہانی کراتی بولی۔

"دل نہیں چاہ رہا فی الحال باتیں کرنے کا دل چاہ رہا ہے۔" وہ اس کی بہکی بہکی باتوں پر غش کھانے لگی۔

"پلیز تم پڑھو۔" وہ سنجیدگی سے کہتی اٹھنے لگی۔

"اگر تم جاؤ گی تو میں نہیں پڑھوں گا۔ بالکل بھی نہیں۔" وہ دھمکی دینے لگا ناچار وہ بیٹھ گئی۔ اسے اس بات پر شدید غصہ آتا تھا وہ ہمیشہ فرمائش کر کے اسے بولنے پر اکساتا اور خود صرف ہوں ہاں میں جواب دیتا۔ ادھر کچھ کریدنا چاہا ادھر وہ ٹوک بات کر کے اسے کچھ اور کہنے کا حکم صادر کر دیتا۔ وہ اس سے اس کے دل کی ہر بات اگلوا لیتا لیکن خود کچھ کہنے سے احتراز کرتا۔ وہ بھی آئندہ کچھ نا بتانے کا پکا ارادہ کرتی مگر وہ بات سے بات نکال کر اس بات کو اگلوا لیتا۔ اور وہ پیچ و تاب کھا کر رہ جاتی۔

"تم کبھی کبھی بہت دور لگنے لگتی ہو۔ یوں کہ میں آنکھیں کھولوں گا اور تم غائب ہو جاؤ گی" وہ اسے کہہ رہا تھا۔

"شاید مجھے یہ محسوس اس لیے بھی ہوتا ہے کہ ہمارا رشتہ صرف میاں بیوی تک محدود ہے۔ جب رشتے میں سمجھوتا آجائے جب اس میں تھوڑی سی نفرت تھوڑا سا میل آجائے تو پھر بس خالی خولی رشتہ ہی رہ جاتا ہے۔ سمجھوتا ہی رہ جاتا ہے دل سے سب تعلق ختم ہو جاتا ہے۔" وہ مدھم لہجے میں کہتا اس کی کھلتی رنگت سے بکھرتی روشنی کو اپنے وجود پر پھیلتے محسوس کرتے ہوئے بولا۔ زبان کے چہرے پر پھیلے اطمینان کی جگہ اب کچھ بے سکونی سی پھیل گئی تھی۔ وہ اپنی جگہ کسمسا کر رہ گئی۔

"بناوٹ سے دل کے بھید نہیں چھپتے۔" وہ پھر سے بولا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"چہرہ آئینہ ہوتا ہے۔ یہ سب بتا دیتا ہے۔ تم جس وقت خود پر جبر کر کے میرے پاس بیٹھتی ہو اس وقت تمہارا چہرہ سب حال بیان کر رہا ہے۔ جس پل تم خوشگوار موڈ میں بات کرتی ہو تو بھی یہ چہرہ عیاں کر دیتا ہے۔ میرے ساتھ بغاوت کرو یا نفرت۔ لیکن مجھے نظر انداز مت کرو۔" وہ ملتجی لہجے میں بولا۔

"مجھے پتہ ہے کہ تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ مجھ جیسا بندہ تمہارے قابل نہیں تھا۔ لیکن میرے اعمال کی سزا میرے دل کو مت دو۔" دونوں گھٹنوں پر سر رکھے وہ اس کے لبوں سے نکلتے الفاظ کے سحر میں جکڑی اس رس گھولتی آواز کو خود پر چھاتے محسوس کر رہی تھی۔

"تم کچھ نہیں کہو گی۔" وہ اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

"نہیں۔"

"کیوں۔" وہ احتجاجی انداز میں بولا۔ وہ رونے لگی وہ کیوں رو رہی تھی اسے نہیں پتا تھا۔ وہ کیا چاہتی تھی اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا لیکن وہ اسے سننا چاہتی تھی وہ چاہتی تھی کہ وہ بولے اتنا بولے کہ ان دو سالوں کی ساری خاموشیوں کو روند ڈالے۔ وہ آج بولتے بولتے پھر سے اسے بولنے کو کہہ رہا تھا۔ وہ ہمیشہ بولتی رہی تھی اور وہ سنتا رہا تھا۔ آج وہ بول رہا تھا اور وہ سن رہی تھی لیکن آج بھی اسے ہی بولنے کو کہہ کر اس نے انصاف سے کام نہیں لیا۔

"تم جو سننا چاہتے ہو وہ میں نہیں کہوں گی۔"

"میں نے تمہیں اقرار کرنے کو نہیں کہا اور نہ ہی مجھے ایسی کوئی امید ہے۔" وہ بے بسی سے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے بولا۔

"پھر کیا چاہتے ہو تم۔" اشک اب بھی اس کی آنکھوں سے رواں تھے۔

"پتہ نہیں۔" وہ بے بسی سے کہہ گیا۔

"میں بہت ظالم ہوں اس کا احساس مجھے تمہارے ان آنسوؤں نے دلایا ہے۔ کیوں روتی ہو تم میرے سامنے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں محتسب بنا ہر وقت اپنا احتساب کرتا رہتا ہوں۔ تمہارے ان آنسوؤں کا گناہ گار ہوں۔ میرے لبوں سے نکلنے والے الفاظ پر تمہارے چہرے پر حزن و ملال کی پرچھائیاں پھیلتی رہیں۔ تمہارے دل سے تمہارے لبوں سے میرے لیے تو نکلی ہو گی۔ تمہارے لبوں سے نکلنے والے الفاظ میری تقدیر بن گئے ہوں گے۔ مت مجھے یہ احساس مت دلاؤ کہ میں دنیا کا ظالم ترین انسان ہوں۔ میں بے فکری کی زندگی جی رہا تھا۔ تم نے کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ زرین نے مجھے آسمان سے زمین پر پٹخ دیا۔ سنا تھا کہ آزمائش اچھے لوگوں پر آتی ہے۔ لیکن مجھ پر کیوں آئی۔ گناہ گاروں پر آزمائش کیسے آ سکتی ہے کہ وہ خود دوسروں کے لیے آزمائش ہوتے ہیں۔ میں تو دوسروں کے لیے آزمائش تھا۔"

وہ اب بھی رو رہی تھی۔ شعور کی دھیمی آواز سے کچھ بول رہی تھی۔ "میں تم سے کچھ مانگ نہیں سکتا۔ کیونکہ میں تمہیں کچھ دے نہیں سکتا۔" ندامت سے سر جھکائے کہہ رہا تھا۔

"میں تم سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ تم... سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

روتے روتے اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہہ اٹھا۔

"صرف ایک بار بول دو کہ تم مجھے معاف کر چکی ہو۔" وہ خاموش رہی۔

"پلیز میں بہت نہیں پاتا۔ صرف ایک بار تم مجھے معاف کر چکی ہو۔" وہ سر نفی میں ہلا کر زیر لب مسکرا اٹھا۔

"بعض اوقات ہم سمجھتے ہیں خوشی کے رنگ صدا جھلملاتے رہیں گے۔ اگر غم ہمیشہ سر پر منڈلاتے رہیں گے۔ اگر دکھ رہے گا۔ اگر سکھ ہے تو روح کو سرشار کر... وقت کی مشین الٹی چالیں چلتی ہے۔ تم، یہ دکھ، یہ سکھ ایک دوسرے سے...

...ایں بدل دیتے ہیں۔ پھر ایک دن وہ بھی ہوا جس نے ...ے آسمان سے زمین پر پٹخ دیا۔ ایک سال کے عرصے ...میں وہ یہ بھول گئی تھی کہ وہ صرف اس کا نہیں ہے۔ ...کوئی اور بھی ہے جو اس پر اتنا ہی حق رکھتی ہے جتنا کہ ...اس حق رکھنے والی کو اس کا خیال آ ہی گیا تھا۔

بہادر خان شعور کے سامنے بیٹھے تھے۔ شعور کا چہرہ ...سرخ اور تپتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ان دونوں کو ...اجازت دے کر وہ کمرے سے نکلی۔

"وہ واپس آنا چاہتی ہے وہ چاہتی ہے کہ یا تو تم اسے ...طلاق دو یا اسے گھر لے آؤ۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ...اسے گھر لے آؤ۔"

"گھر لے آؤں۔" ان کی بات پر برہم ہو کر اس نے انکار کیا۔

"کیا یہاں آپ سب کو میری بیوی نظر نہیں آ ...تی۔" اس نے ترش لہجے میں کہا۔

"وہ بھی تمہاری بیوی ہے۔" بہادر خان اس کی ...بڑی تسلی اور تحمل سے سن رہے تھے۔

"نہیں ہے وہ میری بیوی یہ خود مجھے جتاتی رہی ...ہے۔" زہر آلود لہجے میں وہ تیز آواز میں بولا۔

"ٹھیک ہے جو بھی ہوا بھول جاؤ۔" انھوں نے اب ...بڑے تحمل سے کہا۔

"نہیں بھول سکتا۔ میں نہیں بھول سکتا۔" اس ...تے ہوئے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ بھی جان لو کہ ہم طلاق کے حق میں نہیں ...ہمارا سارا خاندان۔ تم اسے طلاق نہیں دو گے۔ ...طرح سن لو اتنے عرصے بٹھائے رکھنے کے بعد ...اسے یوں نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ ہمارا بھی آخری ...فیصلہ ہے۔" قطعی انداز سے کہتے وہ اٹھ گئے۔ عنایت ...تو انھوں نے بھی بڑوں کی بات ماننے پر زور ...زرین کو گھر لے آئے۔ ان کے خیال میں فی ...الحال بہتر تھا۔ ادھر سرفراز خان نے شعور کو طلاق ...دینے سے منع کیا تھا اور زرین کو گھر لے جانے ...خاندان کی طرف سے اس پر دباؤ تھا۔ اتنا ...بٹھائے رکھنے کے بعد وہ اسے طلاق نہیں دے سکتا تھا۔ اسے سمجھوتا کرنا پڑے گا۔ ہر ایک کا یہی کہنا تھا۔ پورا خاندان اس کے خلاف ہو گیا تھا۔ وہ ایک بار پھر بے بس ہو کر رہ گیا۔

فردوس زبان کے سامنے بیٹھی رو رہی تھیں۔

"بیٹا تم ہی اسے سمجھاؤ۔ زرین کم بخت کے بھائیوں پر تو غصہ سوار ہے۔ اگر اس تو تو میں میں کچھ ہو گیا تو۔" وہ روتے ہوئے بولیں۔

"میرا ایک ہی بیٹا ہے اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں زندہ نا رہ پاؤں گی۔" وہ خود شش و پنج میں مبتلا ہو گئی۔ قدرت اس کے ساتھ کتنا بڑا مذاق کر چکی تھی جب سب ٹھیک ہونے لگا تو پھر سے سفر شروع ہو گیا۔ وہ چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی لیکن اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گئی۔ انھیں تسلی دے کر وہ اسے سمجھانے اس کے پاس آئی۔ کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ نیم تاریکی میں دبے پاؤں بیڈ کی طرف بڑھی۔ وہ دونوں ہاتھوں کا تکیہ بنائے سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ وہ اس کے قریب بیٹھ کر چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ آنکھیں اس کی بے خوابی کا اعلان کر رہی تھیں۔ اسے اپنے پاس بیٹھے دیکھ کر اپنے سر کے نیچے سے اپنا ہاتھ نکال کر اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اور اپنی انگلی سے اس کی ہتھیلی پر کچھ لکھ کر اس کا ہاتھ اپنے دل پر رکھ دیا۔ نا جانے خاموشی کتنی دیر چھائی رہتی۔

"زرین آپ سے ملی تھی کیا کہا تھا اس نے۔" بات کا آغاز وہ کر چکی تھی انجام اللہ ہی جانتا تھا۔ وہ چپ رہا۔ وہ پھر پوچھنے لگی اس کے پوچھنے پر وہ آگ بگولہ ہو کر بولا۔

"کہا تھا نا صرف اس بات کا جواب دوں گا جو میرے اور تمہارے متعلق ہو گی بس۔" اس کے چٹان لہجے پر وہ ایک پل کو خوف زدہ ہو گئی۔

"لیکن وہ ہمارے بیچ موجود ہے۔" اس نے خوف پر قابو پاتے ہوئے اسے احساس دلانا چاہا۔

"نہیں ہے نا پہلے تھی نا اب ہے۔" شعلہ بار نگاہوں سے دیکھتا وہ اٹھ بیٹھا۔

"سارا خاندان آپ سے تعلق توڑ بیٹھا ہے بابا

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

جان بھی کہہ رہے ہیں کہ آپ اسے لے آئیں۔ فی الحال لے آئیں بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ صورت حال بدلتے ہی۔" وہ چلا کر بولا۔

"وہ یہاں نہیں آسکتی۔"

"وہ آپ کی بیوی ہے۔"

"میری بیوی تم ہو۔"

"وہ بھی ہے۔"

"میں نہیں مانتا۔"

"آپ کے ماننے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا نکاح ہوا ہے آپ کے ساتھ اس وقت آپ مان چکے تھے۔"

"تم اس کی طرف داری کر رہی ہو۔" وہ ناقابل یقین نگاہوں سے دیکھتے بولا۔

"نہیں میں ایک حقیقت پسندانہ بات کر رہی ہوں۔ سارے خاندان سے قطع تعلق کرنے میں عقلمندی نہیں ہے۔ بات طریقے سے بھی کی جاسکتی ہے۔"

"میں اسے چند دنوں میں طلاق دینے والا ہوں۔" سفاکی سے کہتا وہ اسے بہت بے رحم لگا تھا۔ جبکہ وہ نہایت شاک کی کیفیت میں جتلا یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپ بات تو۔" کچھ پل بعد حواس میں آتے ہی اس نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کچھ کہنا چاہا۔

"نہیں سنی مجھے کوئی بات' ماموں کے بیٹے کی شادی کے بعد اس کی رہی سہی امید ختم ہو گئی ہے۔ اسے یہ ضد ہو گئی ہے کہ وہ مجھے کبھی خوش ہوتا نہیں دیکھے گی۔ صرف ضد ہے اس کی۔" وہ تیز آواز میں کہے جا رہا تھا۔ "مجھے تمہارے ساتھ مطمئن دیکھ کر اسے آگ لگی ہوئی ہے۔" نفرت آمیز تاثرات اس کے چہرے سے مترشح تھے۔

"صرف میری زندگی میں آگ لگانے وہ یہاں آرہی ہے۔ کسی سمجھوتے پر نہیں دل میں مزید نفرتیں اور کدورتیں لے آرہی ہے۔ یہ ضد ہے بس۔"

"ایک موقع تو دے سکتے ہیں اسے۔" اس کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

"نہیں دے سکتا۔" اس کے جواب کے ساتھ ہی اشک رواں ہو گئے وہ اس کے گرتے اشکوں کو دیکھنے لگا۔ پھر چلاتے ہوئے بولا۔

"اس ذلیل عورت کے لیے آنسو بہا رہی ہو تم۔ منہ توڑ دوں گا تمہارا اگر اب تمہارا ایک بھی آنسو دکھائی دیا مجھے۔" آنسو پینے کی کوشش ناکام ہو رہی تھی وہ بدستور روتی رہی۔

"اگر میں زندگی کی طرف پلٹ کر آیا ہوں تو اس لیے نہیں کہ ایک بار پھر وہ میرے زندگی اندھیروں کے حوالے کر دے خاندان مجھے چھوڑ دے۔ کوئی پروا نہیں۔ میں خود سب کو چھوڑ رہا ہوں میری زندگی کا فیصلہ اب کوئی نہیں کرے گا۔ سوائے میرے۔ میں اندھے اور بے جان فیصلے قبول نہیں کروں گا۔ جس جو دل چاہے کرے۔ اب تم بھی میرا دماغ نہیں کھاؤ گی۔" اس کا سر اپنے کندھے سے لگا کر وہ دھیرے دھیرے کچھ اور بھی کہنے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

بیٹے کی پیدائش نے جیسے ہر منظر بدلا۔ کچھ عرصہ تک تو خوب رونق رہی اس کی بہن کراچی سے آگئی۔ لوگ مبارکباد دینے چلے آرہے تھے۔ وہ خود بھی بہت خوشی محسوس کر رہا تھا۔ تھرڈ ایئر کلیئر کر کے وہ اب اسے فائنل ایئر میں تھا۔

مارچ میں موسم کافی خوشگوار ہو جاتا ہے۔ رات کے وقت چلنے والی ہوا ٹھنڈی تازگی بھری ہوتی ہے جو روح کو ایک لطیف بخش سکون عطا کرتی ہے۔ یہ لطیف جسم میں ایک توانائی سی بھرتی ہے۔ روح کو تر و تازہ جسم کو چاق و چوبند کرتی ہے۔

وہ سب باہر صحن میں بیٹھی ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ زیبان بھی ان کے پاس بیٹھی مزے سے سن رہی تھی۔ ان کی ہنسی کی آوازیں اتنی تیز تھیں کہ کمرے میں لیٹے شعور کے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ وہ اپنی باتوں میں مشغول تھیں۔ وہ برآمدے کی طرف دیکھنے لگا۔

تھی۔ اسے اپنا کمرہ صاف دکھائی دے رہا تھا اچانک اس کی نظر اپنے کمرے کے دروازے میں موجود ہیولے پر پڑی۔ وہ دروازے سے جھانک رہا تھا۔ پھر اس نے نیم وا دروازے کو کچھ اور کھلتے دیکھا تھا۔ پھر اس نے اپنا سر نکالا اور اس کی ڈھونڈتی نگاہیں زیبان پر آکر ٹھہر گئیں۔ وہ بھی اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے اشارے سے اسے بلایا۔ اس نے یکدم سے نظریں ہٹائیں اور رخسار کی بات سننے لگی۔ کچھ دیر بعد اس نے دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ اسے عجیب بے چینی لاحق ہو گئی۔ کچھ دیر میں اس نے اسے کمرے سے نکلتے دیکھا۔

"عمیر رو رہا ہے۔" اس کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے بتا دیا مجھے مخاطب کیا اور گیٹ کی طرف بڑھا۔ وہ کبھی گیٹ کو دیکھنے لگی اور کبھی اپنے کمرے کی طرف پھر کچھ سوچ کر اس نے سونی سے کہا۔

"تم عمیر کو دیکھو میں آرہی ہوں۔ میں شعور کے ساتھ باہر جا رہی ہوں۔" کہہ کر گیٹ کی طرف دوڑی۔ وہ گیٹ سے کچھ ہی دور گیا تھا کہ اس نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنی۔ اس نے بے اختیار پیچھے مڑ کر دیکھا چودھویں کا چاند آب و تاب سے چمکتا ساری دھرتی کو روشن کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ پھر سے پلٹ کر چل پڑا۔ وہ بھاگ کر اس تک پہنچی۔ وہ اس کے برابر چلنے لگی۔ بھاگنے سے اس کی سانس پھول گئی تھی۔

"عمیر رو رہا تھا۔" اس نے دھیمی آواز میں اتنا کہا۔

"سونی چپ کرا لے گی۔" زیبان کی نظریں زمین پر ہونے کی بجائے اسی پر تھیں۔

"کہاں جا رہے ہیں ہم۔" اسے بولنے پر اکسانے کے لیے وہ بولی۔ وہاں صرف خاموشی تھی۔

"زیادہ دور تو نہیں۔ میں تھک جاؤں گی۔" اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہ دیکھ کر بولی۔ "اتنی رات گئے تم کہاں چلے گئے۔" وہ ایک بار پھر قسمت آزمانے لگی۔

"واپس چلتے ہیں مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" وہ سڑک کے کنارے بیٹھ گیا اسے بیٹھتے دیکھ کر وہ بھی بیٹھ گئی۔

"واپس چلیں۔" وہ خوف میں گھری خوف زدہ آواز میں بولی۔

"تم بولتے کیوں نہیں۔" اس کی آنکھوں میں آئی نمی کو وہ دیکھ نہیں سکا تھا اس لیے بولا۔

"جب میں بولنا چاہتا تھا تو تم سننے پر آمادہ نا تھیں اور جب میں یہاں چلا آیا تو تم بولنے کا کہہ رہی ہو۔" اس نے شکستہ انداز میں کہا۔

"میں تم سے نہیں بولوں گی تو تم گھر چھوڑ جایا کرو گے۔" وہ سوالیہ انداز میں تکتے ہوئے بولی۔

"میں نے کوئی گھر ور نہیں چھوڑا۔" وہ وضاحت دینے لگا۔

"بس نیند نہیں آرہی تھی تو باہر چلا آیا۔"

"جھوٹ بول رہے ہو تم۔ نیند کیوں نہیں آرہی تھی۔ پچھلے ایک سال میں تو تم کبھی اس وقت گھر سے باہر نہیں نکلے۔" وہ سچائی اگلوانا چاہتی تھی۔

"میں تم سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔" بالآخر وہ سچ بولنے پر آمادہ ہو ہی گیا۔

"میرے اشارے پر تم وہاں نہیں آئیں۔ اس لیے میں باہر چلا آیا۔" ایک گہری سانس خارج کر کے اس نے اپنی نظریں درختوں پر جما دیں پھر کہنے لگا۔

"تم سب سے بولتی ہو پر میرے ساتھ پچھلے کچھ عرصے سے نہیں بول رہیں۔ ایسا کیوں کر رہی ہو تم۔ میری خطا تو بتا دو مجھے۔" وہ حساب مانگنے لگا۔

"تمہارے ایگزیمز ہیں تمہیں پڑھائی کا سوچنا چاہیے۔"

"میں کچھ پڑھ نہیں پاتا۔" وہ بیچارگی سے بولا۔

"مجھے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔" وہ ہوش کھونے لگی۔

"کیوں۔"

"میرے ذہن پر تمہاری بے رخی پنجے گاڑھ کر بیٹھ گئی ہے۔ تم ایسا کیوں کر رہی ہو۔ یہ کیوں؟ مجھے پاگل بنا رہا ہے۔ میں پڑھ نہیں پاتا میں نہیں پڑھ پاؤں گا۔ پلیز مجھے دوش مت دو۔ میں پوری سچائی سے کتاب

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

کھولے پڑھنے لگتا ہوں لیکن ذہن کے در پہ یہ کیوں دستک دینے لگتا ہے۔ تب سب بھک سے اڑ جاتا ہے۔" وہ بے بسی کی انتہا پر تھا جبکہ وہ جھٹکوں کی زد میں تھی۔

"میں آپ سے اس لیے نہیں بولتی کہ میں آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ صرف یہی بات ہے کہ جس کی وجہ سے میں آپ کو زیادہ وقت نہیں دے رہی۔" وہ وضاحتیں دینے لگی۔

"اتنی سی بات کو حواس پر چڑھائے اپنے کیے کرائے پر پانی پھیر دیں گے۔ میں صرف اور صرف اس لیے آپ کو زیادہ وقت نہیں دے رہی تاکہ آپ پورے دھیان سے پڑھ سکیں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ بجائے پڑھنے کے آپ ٹینشن میں مبتلا ہو جائیں گے۔" وہ اسے ستانے لگی۔

"رہی بات اس وقت اشارے پر پاس نا آنے کی تو میں ان سب کے بیچ سے اٹھ کر اگر یوں منہ اٹھائے آپکے پاس کمرے میں آتی تو انہیں اچھا نا لگتا۔ یا پھر مجھے ہی یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا اس لیے۔ اتنی سی بات تھی۔" اس کی وضاحت پر وہ قدرے ریلیکس ہو گیا۔

"کچھ اور بھی کہو۔" اس نے فرمائش کی۔

"کیا کہوں۔" وہ بے ساختہ انداز میں کہہ گئی۔

"وہ کہو جو میرے دل کو اچھا لگے۔"

"نہ کہوں تو۔" وہ سوالیہ انداز میں تنکتی بولی۔ وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

"پھر میری قسمت ہی خراب ہو گی۔"

"میں جو کہوں آپ سنیں گے۔" وہ تائیدی انداز چاہ رہی تھی۔

"ہاں۔"

"سوچ لیں۔" وہ موقع دیتی بولی۔

"سوچ لیا۔" وہ یکدم دھیمی آواز میں بولا۔

"زیبان، شعور سے بے پناہ عشق کرتی ہے۔" وہ آنکھوں میں دنیا جہاں کی حیرت سمیٹے اسے گم صم سا دیکھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

وہ اس کے چہرے پر بکھری الجھن کو دل سے محسوس کر رہا تھا۔ وہ تسلی آمیز الفاظ سے ایک بار پھر اس کا حوصلہ باندھنے لگا۔

"ٹھیک ہو جائے گا سب تم خوامخواہ ہی پریشان ہو رہے ہو۔"

"میں پریشان نہیں ہوں۔" وہ ایک ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے بولا۔

"بس ایک الجھن ہے۔ میں ہر وقت یہ سوچ سوچ کر اپنا دماغ خراب کرتا رہتا ہوں کہ آخر میں نے ایسا کون سا گناہ کیا تھا؟ ایسی کیا خطا کی تھی کہ زرین نے میرے ساتھ ایسا کیا۔ وہ اب بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ ٹھیک ہے غلطی میری بھی ہے۔ میں نے اس وقت سوچ سمجھ سے کام نہیں لیا جو دل میں آیا کیا۔ ضد کی، خود سری دکھائی۔ لیکن ابتدائی کوشش میری سو فیصد یہی تھی کہ میں اس بندھن کو خلوص سے نبھاؤں لیکن زرین۔ اب وہ میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ میں اسے رکھ نہیں سکتا۔ خاندان والے طلاق نہیں چاہتے۔ وہ اس کی ساری زندگی تباہ ہوتے دیکھ لیں گے لیکن طلاق کا لفظ برداشت نہیں کریں گے۔ مجھ پر یہ دباؤ ہے کہ میں طلاق نہ دوں۔ ان حالات میں تو۔"

"ایک نیک مشورہ دوں برا تو نہیں مانو گے۔" نوید نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں بولو۔" اس نے الجھن بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

"تم اسے گھر لے آؤ۔ اسلام میں بھی تو چار شادیوں کی اجازت ہے۔ یہ درست ہے کہ اب تک جو ہوا وہ غلط ہوا لیکن وہ کب تک یوں ماں باپ کے در پر پڑی رہے گی۔ وہ عورت ذات ہے۔ جو کچھ ہوا اور جو بعد میں ہو گا ان حالات میں اس کے لیے اس معاشرے میں رہنا بہت دشوار ہو گا۔ میری بات پر اگر غور کرو تو اس میں تم سب کا بھلا ہے۔ ہاں پہلے بھابھی کو اعتماد میں ضرور لینا تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ نا ہو۔" نوید کی بات پہ وہ گہری نظروں سے ہاتھ کی ہتھیلی پر نظریں جمائے کچھ

سوچنے لگا۔

اس مسئلے نے گھر کے ہر فرد کو ڈسٹرب کر دیا تھا۔ وہ کمرے میں بیڈ پر لیٹا تھا۔ عمیر اس کے سینے پر سر رکھے اس کی شرٹ کے بٹن کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ زیبان اسے چائے دینے آئی۔ کپ رکھ کر اس نے دھیرے سے عمیر کے گال کو چھوا اور شعور سے کہنے لگی۔

"چائے پی لینا ٹھنڈی ہو جائے گی۔" کہہ کر جانے لگی جب اس نے اسے پکارا۔

"یہاں آؤ۔" وہ دھیرے سے بیڈ کے کنارے بیٹھ گئی۔ وہ کئی دنوں سے اس کی بدلتی رنگت کو نوٹ کر چکا تھا۔ وہ اسے بہت پریشان اور الجھی ہوئی لگ رہی تھی وہ خاموشی سے اس کو دیکھنے لگا۔ وہ اس کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی لیکن وہ ہنوز خاموش تھا۔ پھر اس نے عمیر کو اس کے سینے سے اٹھا کر اپنی گود میں بٹھا لیا۔

"پلیز اس وقت میری بات سنو۔" عمیر کو اس کی گود سے واپس اٹھا کر اس نے اپنے سینے پر سلا دیا۔ وہ خلا میں نظریں مرکوز کیے بیٹھی کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کے بالوں کی لٹ کو نرمی سے چھوتے ہوئے اس نے کہا۔

"تم اس ــ" یکدم سے کوئی بنا دستک دیے کمرے میں چلا آیا۔ زیبان ہڑبڑا کر اٹھی جبکہ وہ ہنوز اطمینان سے لیٹا رہا۔ آنے والے کو دیکھ کر بھی اس کے چہرے پر خلاف توقع کوئی استقبالی کیفیت نہیں ابھری تھی وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی آگے بڑھی۔ زیبان کبھی زرین کو دیکھتی اور کبھی بیٹے کے ساتھ مصروف شعور کو۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس نے شعور سے سپاٹ انداز میں کہا۔

"کیا تم ہمیں بات کرنے کا موقع دو گی۔" اس نے بڑے روکھے انداز میں اس سے کہا۔ وہ چونک کر شعور کی گود سے عمیر کو اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔ وہ اس کے جانے کے بعد بیڈ سے اترا۔ دونوں ہاتھ سینے پر باندھے سوالیہ انداز میں اسے تکنے لگا۔

"اگر تم مجھے اپنے گھر میں لے آتے ہو تو میں طلاق نہیں چاہوں گی۔ یہی کہنے آئی ہوں میں تم سے۔" نہایت صبر و سکون سے دھیرے دھیرے اس نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔ وہ چند پل اسے دیکھتا رہا۔ پھر دھیمے لہجے میں بولا۔

"اب کچھ رہا ہے ہمارے بیچ۔"

"ہمارے بیچ اور آئے تھے۔" اس کا اشارہ زیبان کی طرف تھا۔

"اچھا۔" وہ ہنس پڑا۔

"کیا انہیں نہیں آنا چاہیے تھا۔" اب کے وہ سوال کرنے لگا۔

"نہیں آنا تھا یا نہیں، لیکن اب انہیں مجھے آنے دینا ہو گا۔" وہ قطعی لہجے میں اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھ کر بولی۔

"اب ایسا کیا ہوا کہ تم مجھے اپنا شوہر تسلیم کرنے چلی آئیں۔ میں تمہارا کزن ہوں اور بس۔ یہی کہا تھا نا تم نے۔"

"اگر ایسا کہا تھا میں نے تو اب یہ بھی کہہ رہی ہوں کہ میں یہاں آنا چاہتی ہوں۔ یہاں آؤں گی۔ تمہاری بیوی بن کر۔" آخری جملے بڑے پر زور انداز میں بیان کیے گئے۔

"جو ہوا میں بھول گئی تم بھی بھول جاؤ۔"

"اور اس کا کیا ہو گا۔" اس نے زیبان کی طرف اشارہ دیا تھا۔

"وہ ہمارے بیچ آئی ہے۔ وہ تمہاری بیوی رہے گی میں یہ ماننے سے انکار نہیں کرتی۔ لیکن تمہیں مجھے بھی اس گھر میں رکھنا ہو گا۔"

"اور اگر وہ ایسا نا چاہے تو۔"

"جب میں چاہ رہی ہوں تو وہ کیوں نہیں چاہے گی۔" اس نے بڑی نخوت سے کہا۔

"یہ تم اس سے پوچھ لینا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"مجھے پتا ہے کہ تم پر اس کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ تم اپنی ماں کی باتوں میں تو آئے تھے ہی اب تم

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

بیوی کے دام میں بھی گرفتار ہو گئے ہو۔ وہی تمہیں طلاق کا کہہ رہی ہے۔ اسی نے کہا ہو گا۔" وہ رونے لگی۔

"میری جگہ قابض ہو کر بیٹھ گئی ہے۔ اب تو تمہیں اور بھی پیاری ہو گئی ہو گی۔ تمہارے بیٹے کی ماں جو ہے۔" سلگتے الفاظ سلگتے لہجے کی ترجمانی کر رہے تھے۔

وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتا تپائی کی طرف بڑھا۔ جگ میں موجود پانی سے گلاس بھر کر وہ غٹاغٹ چڑھانے لگا۔

"تم اس کی باتوں میں آ کر مجھے نہیں چھوڑ سکتے۔ تم تو شادی کر کے عیش کی زندگی جی رہے ہو لیکن مجھے دن رات عذابوں بھرے لمحات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ سب مجھے طنز بھری نظروں سے دیکھتے ہیں۔" وہ سسکتے ہوئے دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی اس کے پاس آ کر بولی۔

"میں ایک تماشا بن چکی ہوں۔"

"اب ہونے کو کچھ نہیں رہا۔" اس نے گلاس تپائی پر رکھ کر کہا۔

"میں تمہیں نہیں رکھ سکتا یہ میری مجبوری ہے۔" اس نے اس کے روتے چہرے پر نگاہ ڈال کر کہا۔

"میں تمہیں کسی خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا۔ میں تمہیں نہیں رکھ سکتا۔ یہ میرا حتمی فیصلہ ہے۔" یہ کہتے ہی وہ مڑ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔" وہ اس کی پشت پر سر رکھ کر چلائی۔ وہ اپنی جگہ تھم سا گیا۔ چند لمحے وہاں اس کی سسکیاں پھیلتی رہیں سارے کمرے میں جسے توڑتے ہوئے شعور بولا۔

"تم میری مجبوری سمجھ سکتی ہو۔ میں اب کچھ نہیں کر سکتا۔"

"کیوں نہیں کر سکتے۔ تم بیوی سے ڈرتے ہو۔ اس لیے مجھے نہیں رکھ سکتے۔ اس نے دھمکی دی ہو گی تمہیں کہ اگر تم مجھے یہاں لے آئے تو وہ تمہیں چھوڑ کر چلی جائے گی۔" وہ ہنوز اس کی پشت پر سر ٹکائے رو رہی تھی۔ وہ ایک بار پھر مڑ کر تپائی پر رکھے جگ سے گلاس میں پانی انڈیل کر پینے لگا۔

"اگر تم نے مجھے چھوڑا تو یہ اچھا نہیں ہو گا۔ اب میری ایک ہی بات ایک ہی فیصلہ ہے کہ میں ہر حال میں اس گھر میں آؤں گی۔ ایسا کر کے رہوں گی۔ دیکھتی ہوں تمہاری چہیتی مجھے کیسے یہاں سے نکال سکتی ہے۔" وہ دہکتے لہجے میں دھمکیاں دے کر چلی گئی جبکہ وہ خاموش نظروں سے اس کے دھڑام سے بند کیے دروازے کو دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼

اس کے امتحانات شروع ہو گئے تو اس نے پڑھائی پر ساری توجہ مرکوز کر دی۔ امتحانات کے ختم ہونے پر وہ لمبی تان کر سویا۔ عنایت اللہ بار بار زرین کو گھر لانے کی بات کرتے تھے۔ ادھر سرفراز بھی زور دے رہے تھے۔ وہ پھنس کر رہ گیا تھا۔ زبان نے جب زرین اور اس کے درمیان ہونے والی بات چیت کے بارے میں کچھ پوچھنے کی کوشش کی تو اس نے یہ کہہ کر اسے جھڑک دیا۔

"صرف اسی بات کا جواب دوں گا جو میرے اور تمہارے متعلق ہو۔" اور وہ خاموش ہو کر رہ گئی۔

نہا کر کپڑے بدلنے کے بعد اس نے ناشتا کیا۔ اس وقت وہ تازہ دم لگ رہا تھا۔ رات کو ان دونوں کے درمیان بہت بحث ہوئی تھی۔ وجہ زرین تھی وہ ایسی کوئی بات سننے کے موڈ میں نہیں تھا جو زرین سے متعلق تھی۔

"اتنی تیاری کی ہے کہیں جانا ہے۔" وہ اس کا ناقدانہ جائزہ لیتی بولی۔

"کچھ خاص نہیں۔" بالوں میں تیزی سے برش چلاتے ہوئے اس نے کہا۔

"پھر بھی۔" وہ کرید رہی تھی۔

"ہاں ہاں۔" وہ سر نفی میں ہلا کر جانے سے انکار کر گیا۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی اس کے پاس کھڑی ہو گئی۔

"بتائیں۔" دونوں ہاتھ سینے پر باندھے ایک پاؤں زمین سے دھیرے سے مارتے وہ اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑی تھی۔ وہ اس کے اس تحکمانہ انداز پر مسکرایا۔

"نہ بتاؤں تو۔"

"میں مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں۔ سیریس ہو بتائیں کہاں جا رہے ہیں۔"

"نہ بتاؤں۔" وہ بات ٹالنے لگا۔

"جو سوال کر رہی ہوں اس کا جواب چاہیے۔"

"تمہارے سوال بڑے مشکل ہوتے ہیں مجھے ان کے جواب نہیں آتے۔" وہ پرفیوم اسپرے کرتا ہوا بولا۔

"آپ بتا رہے ہیں یا ابو کو فون کروں۔" وہ دھمکی دینے لگی۔

"اچھا ایک شرط پر بتاؤں گا۔"

"کیا۔" اس نے حیرانگی سے پوچھا۔

"اگر تم دس جملوں میں مجھ سے اظہار محبت کرو تو۔"

"مر کر بھی نہیں کروں گی۔"

"اگر میں کروالوں تو۔"

"تو میں خودکشی کر لوں گی۔"

"اگر میں تمہیں مرنے نہ دوں تو۔"

"تو آپ کا سر توڑ دوں گی۔"

"اور اگر میں اپنا سر خود پیش کر دوں تو۔"

"تو میں لینے سے انکار کر دوں گی۔"

"اگر میں دینے پر بضد ہوا تو۔"

"تو آپ کا یہ قلم شدہ سر مجھے حسرت بھری نگاہوں سے ابو کے ساتھ بیٹھا دیکھے گا۔"

وہ اس کی راہ روکے کھڑی ہو گئی۔

"بتائیں کہاں جا رہے ہیں۔"

"پہلے دس جملوں میں اظہار محبت۔"

"بتائیں کہاں جا رہے ہیں۔" وہ ایک بار پھر اسی لہجے میں دہراتی بولی۔

"پہلے دس جملے۔" وہ اطمینان سے کھڑا اسے چڑاتا

"نہیں کہوں گی۔"

"نہیں بتاؤں گا۔" وہ ہارنا نہیں چاہتی تھی اس لیے راہ چھوڑتے ہوئے "دفع ہو۔" کہہ گئی۔ وہ ایک زندگی سے بھرپور قہقہہ لگا کر جانے لگا۔ اس نے اس کا قہقہہ پہلی بار سنا تھا۔ وہ جاتے شعور کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر سکینہ کے ساتھ گندم صاف کرتی زرین پر پڑی۔ صحن میں رکھی چارپائی پر زرین سے چھوٹا بھائی زوہیب لیٹا ماں سے باتیں کر رہا تھا۔ شائستہ گیلے کپڑے الگنی پر ڈال رہی تھی۔ اس کے آنے پر سب کی نظریں بے ساختہ اس کی طرف اٹھی تھیں۔ سب پر ایک سرسری نظر ڈال کر وہ نیچے زمین پر چٹائی پر بیٹھی دونوں خواتین کے قریب پنجوں کے بل بیٹھ کر بولا۔

"جو ہوا وہ میں بھول گیا۔ اب جو ہو گا وہ تم بھول جانا اور مجھے معاف کر دینا۔" اس کی گمبھیر آواز پر وہ دونوں کچھ خوف زدہ اور تشویشناک انداز سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ جبکہ زوہیب پہلے سے استفہامیہ انداز سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔" زرین سہمی نگاہوں سے اس کو دیکھنے لگی۔

"میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔" یکدم سکینہ کا ہاتھ اس کے منہ کو بند کر گیا تھا۔ شائستہ کپڑے ہاتھ میں لیے ہکا بکا کھڑی رہ گئی۔ اور زوہیب کا سکتہ بھی بالآخر ٹوٹ گیا۔

"کیا کر رہے ہو تم۔" اپنے منہ پر سکینہ کا رکھا ہاتھ ہٹا کر اٹھتے ہوئے اس نے پھر سے وہی الفاظ ادا کر دیے۔ اور رخ پھیر کر تیز تیز قدم اٹھاتے جانے لگا۔ اپنے پیچھے اس نے ایک دلدوز اور اندوہناک چیخ سنی تھی پھر اس میں سکینہ کی بددعائیں اور گالیاں بھی شامل تھیں۔

تمام اندیشوں کو بالائے طاق رکھ کر اس نے ایک انتہائی قدم اٹھا لیا تھا۔ دل و دماغ دونوں کی صلاح سے کیا گیا فیصلہ اسے تمام فکروں سے آزاد کر گیا تھا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

حیرت ناک بات یہ تھی کہ سب کی مخالفت کے باوجود اس کے اندر اور باہر اطمینان ہی اطمینان تھا۔

وہ گھر آیا تو وہ اسے کچن میں ملی۔

"کیا کر رہی ہو؟" اس نے شگفتگی سے پوچھا۔

"کھانا تیار ہو رہا ہے۔" پھر جیسے ہی کچھ یاد آیا بولی۔

"ارے آپ اتنی جلدی کیسے آ گئے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو اتنی تیاری کے ساتھ باہر گئے تھے۔" اس کی بات کے جواب میں وہ خاموشی سے اس کی طرف بڑھا۔ پھر اس کے بالوں کی لٹ کو نرمی سے انگلی سے چھوتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں سب کی مخالفت مول لے چکا ہوں۔" اس کی مبہم بات پر وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"مطلب۔" اس کی آواز میں عجیب سا احساس تھا۔

"مطلب۔" اس کی بات کے جواب میں دہراتے ہوئے بہت نرم اور دھیمی آواز میں بولا۔

"میں زرین کو طلاق دے کر آ رہا ہوں۔" وہ جامد و ساکت کھڑی اسے خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔

پورے خاندان میں ایک کہرام برپا تھا۔ زرین کے بھائی بہت واویلا کر رہے تھے۔

"اماں کچھ نہیں ہو گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ فردوس کے پاس بیٹھا انہیں تسلی دے رہا تھا۔ فردوس روئے جا رہی تھیں۔

"اگر تمہیں کچھ ہو گیا نا تو میں زندہ نہیں رہ پاؤں گی۔ بہت برا کیا تم نے۔ کیوں سب کی مخالفت مول لی تم نے۔" وہ اس کے اٹھائے گئے اقدام کو بالکل غلط قرار دے رہی تھیں۔ زبان خاموش کھڑی ان دونوں کو سن رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا میں کہہ رہا ہوں نا۔" اس نے آہستگی سے ان کو اپنے شانے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"جاؤ پانی لے آؤ۔" اس نے پاس کھڑی زبان سے کہا۔ وہ پانی لے آئی اس نے ایک سرسری نگاہ زبان پر ڈالی اور پھر گلاس ان کو پکڑا کر پانی پلانے لگا۔ ان کے چہرے سے فکر و پریشانی عیاں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وقتی طور پر یہ دھچکا ان سب کو تفکر میں ڈال دے گا پھر جلد ہی حالات ٹھیک ہو جائیں گے اور ہر فکر و پریشانی ختم ہو جائے گی۔ یہ بات تقریباً سارے گھروں میں پھیل گئی۔ سب سے پہلی آنے والی مومنہ چچی تھیں۔

"یہ تم نے کیا کیا شعور۔" آتے ہی انہوں نے اس کی کلاس لینی شروع کی ان کے انداز سے تشویش سے زیادہ رنجیدگی جھلک رہی تھی۔ جبکہ شعور کے چہرے پر بلا کا اطمینان تھا۔ زبان کا دل یکبارگی دھڑک اٹھا۔

"سن تو لیا ہے آپ نے۔" اس نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔

"تمہیں پتہ ہے کہ اس سے کیا قیامت آ سکتی ہے۔ ادھر زوہیب سرفراز کو بلانے چلا گیا ہے۔ میں نے بھی بشیر کو تمہارے چچا (بہادر خان) کے پاس بھیج دیا ہے کہ وہ آ کر حالات کو قابو میں کریں۔ اب کوئی بکھیڑا کھڑا نہ ہو۔"

"بہت برا کیا ہے تم نے۔" انہوں نے ایک بار پھر اسے جھڑکا۔

"مجھے تو آنے والے حالات ہولا رہے ہیں۔" وہ نہایت گھبرائی ہوئی تھیں۔

"کچھ نہیں ہو گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ سب خوامخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔" پھر دفعتاً اس کی نظریں زبان پر پڑیں۔ اس نے اسے روتے اور کمرے سے نکلتے دیکھا۔ مومنہ چچی کو اماں کے پاس چھوڑ کر وہ اسے ڈھونڈتا ہوا کچن میں آیا وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے اپنا سر گھٹنوں پر رکھے رو رہی تھی۔ وہ کچھ پل اسے دیکھتا رہا پھر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"چائے ملے گی۔" وہ خاموش رہی۔

"تم سے کہہ رہا ہوں۔" وہ کچھ نہیں بولی۔

"ناراض ہو۔" اس نے اپنا ہاتھ اس کے کندھے پہ رکھنا چاہا جسے اس نے بڑی سختی سے جھٹک دیا۔ وہ خجالت مٹانے کو بولا۔

"میں پشیمان نہیں ہوں۔ چاہے تم جتنا بھی رو لو اور رو رو کر مجھے یہ احساس دلاتی رہو پھر بھی نہیں۔" وہ تب بھی خاموش رہی۔

"پلیز زبان بات کرو مجھ سے۔" اس نے ملتجیانہ لب و لہجے میں کہا۔

"آج تم پھر اس کے لیے رو رہی ہو۔" ان کی باتوں کا سلسلہ تب ٹوٹا جب اماں کچن میں چلی آئیں۔ ان دونوں کو نیچے فرش پر بیٹھے دیکھ کر وہ قدرے حیران ہوئیں۔ ساس کو آتے دیکھ کر وہ اٹھ کر کچن سے نکل گئی۔

"مومنہ چچی چلی گئی ہیں۔" جاتی زبان پر نظریں گاڑے اس نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"سونی کہاں ہے۔"

"رشیدہ کے ہاں ہے۔" انہوں نے چائے کے لیے پانی رکھا۔

"سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔ تم پیو گے چائے۔" انہوں نے شعور سے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ باہر برآمدے میں آیا۔ برآمدے کے تخت پر لیٹا وہ زبان کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا کہ وہ اتنی ناراض ہو گی لیکن اسے اس کی ناراضگی سے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ اگر وہ اس سے بھی زیادہ ناراض ہوتی تو وہ تب بھی یہی کرتا۔ فردوس چائے بنا کر اس کے پاس لے آئیں۔ اس نے کپ چھوٹی ٹیبل پر رکھ دیا۔

"بیٹا چائے رکھی ہے۔" فردوس سبزی اٹھا لائی تھیں وہ کاٹنے لگیں۔ اسی اثناء میں دھڑام سے گیٹ کھول کر سرفراز اندر آیا شعور پہلے ہی دھڑام کی آواز پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ سرفراز خان تیز تیز قدموں سے اس کے قریب آ کر زہر آلود نگاہوں سے تکتا دہاڑا۔

"منع کیا تھا نا کہ تم طلاق نہیں دو گے چاہے وہ ساری زندگی بیٹھی رہے۔" شدت جذبات سے اس کا چہرہ سرخ پڑ چکا تھا۔ سرفراز خان کی گونجدار آواز کمرے میں بیڈ پر بیٹھی زبان کے کانوں تک جا پہنچی۔ وہ سرعت سے اٹھ کر تیزی سے بھاگتے ہوئے کمرے سے نکلی۔ ادھر شعور کھڑے ہو کر نہایت سلیقے سے بولا۔

"ساری زندگی بٹھا کر آپ سب اس کی زندگی کیوں خراب کرنا چاہتے تھے۔ اس کے حق میں یہی بہتر تھا۔ اب کہیں اور شادی کر کے وہ ہنسی خوشی زندگی گزار سکے گی۔" اس کے خاموش ہوتے ہی وہ ایک بار پھر سلگتے لہجے میں بولا۔

"کیوں اور کوئی کیوں تم کیوں نہیں۔"

"میری بیوی ہے یہاں۔"

"تو وہ کیا تھی۔" وہ چلاتے ہوئے بولا جبکہ فردوس نہایت پریشانی سے ان دونوں کی باتیں سنتی رہیں۔

"دیکھو وہ یہاں خوش نہیں رہ سکتی تھی۔" اس کا جملہ کاٹ کر وہ کاٹ دار آواز میں بولا۔

"بہانے مت بناؤ۔ تم اسے رکھنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ اگر وہ خوش نا رہتی تو نا رہتی۔ تم ایک بار اس کو یہاں لے تو آتے۔"

"دیکھو بیٹا تم ناراض نا ہو۔ اس کے باپ کو آنے دو۔ وہ اس سے سمجھ لے گا اس نے بہت غلط کام کیا ہے۔ میں جانتی ہوں پر اب۔" وہ منت بھرے لہجے میں اسے رام کرنے لگیں۔

"اب کیا کرو گے تم لوگ۔ میں نے منع کیا تھا اسے۔"

"تم بات کو سمجھ ہی نہیں رہے ہو۔" شعور نے تیز آواز میں کہا۔

"کیا نہیں سمجھ رہا میں ہاں بولو۔" وہ قدم بڑھا کر اس کے بالکل نزدیک کھڑا ہو گیا۔

"سرفراز تمہارے بابا اور چچا اس کو دیکھ لیں گے۔ تم فی الحال۔" ان کے چہرے پر زردی سی چھا گئی حلق میں جیسے کانٹے چبھ رہے تھے۔

"اتنا عرصہ بٹھائے رکھنے کے بعد یہ کرنا تھا تم نے۔" وہ دہاڑا۔ فردوس نے جب دیکھا کہ وہ اس کی کوئی بات نہیں سن رہا تو بھاگ کر گھر سے نکل گئیں۔ جبکہ زبان ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ سرفراز کا چہرہ سرخ تھا۔ اس کے چہرے پر رقم وحشت ناک تاثرات دور کھڑی زبان کو بھی وحشت زدہ کر رہے تھے۔

"تم کیا سمجھتے ہو کہ اس طلاق کے بعد تم ہنسی خوشی

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

زندگی گزار لو گے تمہاری اس ہنستی زندگی میں آگ لگا دوں تو میرا نام بدل دینا۔" اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اس نے اسے دھکا دیا۔ زبان گھبرا کر ان کے قریب آئی۔ اس نے شعور کا ہاتھ پکڑا اور اسے اندر کمرے میں جانے کا کہنے لگی۔ سرفراز خان اسے دیکھ کر ایک لمحہ کو چپ ہو گیا۔ پھر شعور نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑا کر کہا۔

"تم جاؤ اندر۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔ ایک نظر اس پر ڈال کر وہ سرفراز خان سے بولا۔

"تم جو کر سکتے ہو کر لو۔ میں انتظار کروں گا۔" اس کی بات پر سرفراز خان کو آگ لگ گئی۔

"میں کچھ کرنے ہی آیا ہوں۔" بلیک واسکٹ کی اندرونی جیب سے ریوالور نکال کر اس نے اس کے سینے پر تان لیا۔ اس وقت زبان زور سے چلائی۔

"کیا کر رہے ہو تم۔" ایک دھماکہ تھا جو اس کے اردگرد گونج کر رہ گیا۔ اس کے زمین پر گرتے ہی سرفراز خان بھاگتا ہوا گھر سے نکل گیا۔ وہ چیخ چیخ کر زمین پر گرے شعور کے سینے سے نکلے خون کو اپنے دوپٹے سے روکنے لگی۔ پھر اس نے اس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔

"شعور آنکھیں کھولو۔" وہ چلانے لگی۔

"شعور آنکھیں کھولو۔" وہ اس زور سے چلائی۔ وہ آنکھیں کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس کی آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔

"شعور تم ایسا نہیں کر سکتے آنکھیں کھولو۔" [illegible] سے اندر داخل ہونے والوں پر اس کی توجہ نہیں تھی۔

"حشمت بھاگ کر شعور کی گاڑی لے آؤ۔" اس کے کانوں میں واحد یہی الفاظ آئے تھے۔ باقی وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔

"شعور آنکھیں کھولو۔" وہ اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے بار بار اسے آنکھیں کھولنے کا کہہ رہی تھی۔ اس کی قمیص اس کا دوپٹہ اس کے سینے سے بہنے والے خون سے سرخ ہو گیا تھا۔ شعور کی وائٹ شرٹ سرخ ہو چکی تھی۔ بہادر خان گھٹنوں کے بل بیٹھ کر شعور کے ساکت وجود میں زندگی کی رمق کھوجنے لگے۔ شعور کی چائے ٹھنڈی یخ ہو چکی تھی۔

"اسے مجھ سے محبت نہیں تھی۔ اگر اسے مجھ سے محبت ہوتی تو وہ میری بات مان لیتا۔ وہ ایسا کبھی نا کرتا۔ اس نے ہمیشہ میرا دل دکھایا ہے۔ مجھے تکلیف دیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں اسے بددعا نا دوں۔ میں نے اسے بددعا نہیں دی۔ لیکن پھر کیوں وہ مجھ سے ناراض ہو کر چلا گیا۔ وہ بہت ظالم تھا وہ ہمیشہ وہی کرتا جو اپنے لیے بہتر سمجھتا۔ وہ خود غرض تھا۔ اسے اپنی فکر تھی۔ کسی اور کی نہیں۔ اسے زرین سے محبت تھی اسی کو زندگی بھر کی خوشیاں دینے کے لیے اس نے مجھے اکیلا کر دیا۔ وہ جھوٹ بولتا تھا۔ وہ مجھے بے وقوف بناتا رہتا تھا۔ اسے مجھ سے محبت تھی وہ یہ جھوٹ بولتا تھا۔ مجھے پتہ تھا کہ وہ میرے ساتھ ایسا ہی کرے گا وہ مجھے آسمان سے زمین پر پٹخ دے گا۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ میں قیامت کے دن اس سے حساب مانگوں گی۔ مجھے آرام سے زندگی گزارتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس نے میری زندگی میں آگ لگانے کا تہیہ کر لیا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ وہ بہت ضدی تھا۔ اسے میں نے کبھی قہقہہ لگاتے نہیں دیکھا تھا۔ اس دن اس نے مجھے تڑپانے میری یادوں میں آگ لگانے کے لیے زندگی سے بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔ اس کے قہقہے نے اندر باہر ویرانی و وحشت پیدا کر دی تھی۔ وہ بہت خوش تھا۔ میں بھی کبھی اپنے آپ کو معاف نہیں کروں گی اگر میں اس دن ہار مان لیتی اور اس سے اظہار محبت کر لیتی تو وہ مجھے بتا دیتا کہ اسے کہاں جانا ہے۔ شاید وہ مجھے بتا دیتا۔ لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ اس دن کی جیت میری سب سے بڑی ہار بن جائے گی۔ میں اسے روک نا پائی۔ اس نے زرین کے گھر سے لوٹنے کے بعد بھی میں میرے پاس بیٹھ کر مجھے بولنے کو کہا تھا۔ میں اس سے نہیں بولی۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ اب زندگی بھر میں اس سے بول نہ پاؤں گی۔ وہ مجھے بولنے پر مجبور کرتا۔ لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ تاکہ میں احساس جرم میں جلتی رہوں۔ میں ساری زندگی تڑپتی رہوں۔ اس

...ے چائے کی فرمائش کی تھی۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ وہ
...اس کی زندگی کی آخری فرمائش ہے۔ میں اسے اپنے
...ہاتھ کی۔ ایک کپ چائے تک نا پلا سکی۔ اس نے
...میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور میں نے بڑی بے رحمی
...سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ میں نے اسے بہت
...تکلیف دی تھی۔ لیکن اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں
...تھا کہ میں اس کے لمس کو ہمیشہ کے لیے کھو دوں گی۔
...نے اس سے کہا کہ آنکھیں کھولو۔ میں نے کہا مجھ
...سے بات کرو۔ لیکن وہ ناراض ہو گیا تھا۔ وہ ہمیشہ مجھ
...سے ناراض رہتا تھا۔ لیکن مجھے خود سے ناراض نا
...ہونے دیتا۔ "ایک تھپڑ کھاؤ گی مجھ سے" کہہ کر مجھ سے
...بات منوا لیتا۔ مجھے بولنے پر مجبور کرتا۔ وہ اچھا آدمی
...تھا۔ اس کے ساتھ رہ رہ کر میں بھی ظالم ہو گئی
...میں بھی اسے تکلیف دینے لگی تھی۔ میں ہر
...بات اس سے ناراض رہتی۔ میں نے ہمیشہ سب کی
...کو جذبات و احساسات کو اولیت دی۔ لیکن اس
...کے جذبات و احساسات کی پروا نا کی۔ میں نے اسے
...کوئی خوشی نا دی۔ میں ہر وقت ہر پل اس کے لیے
...تکلیف کا باعث بنی رہی وہ مجھ سے ناراض تھا۔ تبھی
...چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ روٹھ گیا مجھ سے۔ میں بہت
...تھی۔ وہ میرا ظلم برداشت نا کر سکا۔ اس دن میں
...نے چپ کی مار ماری بہت برا ہوا۔ بہت برا کیا میں
...نے۔ میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔
...آپ سب نے مجھے اس ہاسپٹل میں ڈال دیا
...کیوں مرنے نہیں دے رہے مجھے۔" وہ رو رہی
...سمندر کے قطرے بارش کی صورت اس کی
...آنکھوں سے برس رہے تھے۔ یاسمین اس کے پاس
...بھی رو رہی تھیں۔

...اس سے بے پناہ محبت کرتی ہوں کیا اس کے
...ہوں گی۔ اسے پتہ تھا کہ میں اس کے بغیر نہیں رہ
...سکتی بھی مجھے مارنے کے لیے اس نے یہ منصوبہ بنا
...شعور سے۔ کہیں وہ آ جائے۔ شعور کیوں
...نہیں آئی شعور کہاں ہے۔ شعور میں اسے وہ آ جا
...غنودگی میں وہ بڑبڑا رہی تھی۔ یاسمین تیزی
سے اٹھ کر نرس کو بلانے بھاگیں۔ دو منٹ کے اندر اندر نرس اس کے روم میں آ گئی تھی اس کے ہمراہ ڈاکٹر بھی تھا۔

گہرے صدمے کے باعث نروس بریک ڈاؤن نے اسے موت سے دوچار کر دیا تھا۔ زندگی بچانے والی ذات بڑی رحیم ہے۔ ہوش میں آتے ہی وہ شعور کو یاد کرتی۔ اس کی ماں اسے بار بار یہی باور کراتی کہ شعور زندہ ہے۔ لیکن وہ یقین نا کرتی۔ اس نے اپنی آنکھوں سے شعور کو مرتے دیکھا تھا پھر کیسے ان کی بات پر یقین کر لیتی۔ پانچویں دن اس کی حالت پہلے سے کچھ بہتر ہو گئی تھی۔

"بیٹیا دوا پی لو۔" یاسمین اسے دوا پلانے کے لیے اس کی جانب آئیں۔

"کیا کروں گی پی کر۔" اس نے نہایت ٹوٹے شکستہ لہجے میں کہا۔

"جان لو گی اپنی۔" یاسمین کا دل کٹ کر رہ گیا۔
"شعور کو کچھ نہیں ہوا۔"

"اگر وہ ٹھیک ہے تو مجھ سے ملنے کیوں نہیں آتا۔ کہاں ہے وہ مجھ سے ملواؤ اسے۔"

"ملواؤں گی پر کچھ انتظار تو کرو۔" ماں نے پر یقین انداز میں کہا۔ وہ پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے بولی۔

"وہ ہو گا تو ملواؤ گی مجھ سے۔"

"تم ٹھیک ہو جاؤ پھر مل لینا اس سے۔" سبحان اس سے ملنے آئے تھے۔

"کیسی ہے میری بیٹی۔" پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کھڑکی کی طرف گئے۔ ہلکے پردے کھینچ کر انہوں نے کھڑکی کھول دی۔ اندر کا سارا حبس کھڑکی کے راستے باہر کی ٹھنڈی ہوا سے ختم ہو کر رہ گیا۔ پھر کیلے کے چھلکے اتار کر وہ اسے زبردستی کھلانے لگے۔ دوا پلا کر وہ اس سے کہنے لگے۔

"آؤ چلتے ہیں۔" اسے سہارا دے کر اٹھانے لگے۔
"کہاں لے جا رہے ہیں؟" یاسمین بولیں۔
"شعور سے ملوانے۔" وہ چکرا کر بستر پر گرنے لگی سبحان نے اسے پکڑ لیا۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

"لیکن—" انہوں نے کچھ کہنا چاہا۔

"سب ٹھیک ہے۔" سبحان نے جواباً کہا اب وہ کچھ نہیں بولیں۔ وہ خوش قسمت نہیں تھیں باپ کی بات پر اس نے ایک فیصد بھی یقین نہیں کیا تھا۔ اسے پتا تھا کہ وہ دونوں اسے بے وقوف بنا رہے ہیں۔ اس سے جھوٹ بول رہے ہیں۔ لیکن خلاف توقع وہ چپ چاپ ان کی بات پر عمل کرتی گئی اس کا ہاتھ تھام کر وہ دونوں کمرے سے نکلے۔ کاریڈور کے آخری سرے کے تیسرے روم کے دروازے کو بڑی آہستگی سے اس نے کھولا۔

"آؤ۔" کہہ کر وہ اندر چلے آئے کمرے میں ہلکی ہلکی نیلی روشنی تھی۔ لیکن مکمل سکوت بیڈ پر کوئی لیٹا ہوا تھا۔

"آؤ۔" اسے کھڑے دیکھ کر انہوں نے اسے آگے آنے کو کہا۔ وہ آہستگی سے بیڈ کے سرہانے پہنچ گئی۔ سفید کمبل میں منہ ڈھانپے کوئی لیٹا ہوا تھا سبحان نے اس کی خاموش آنکھوں کو پڑھتے ہوئے آگے بڑھ کر آہستگی سے اس کے چہرے سے کمبل ہٹا دیا۔ وہ سیدھا لیٹا سو رہا تھا۔ وہ اسے دیکھنے لگی۔ شاید غلط فہمی تھی۔ اس نے اپنی آنکھوں کو رگڑا۔ اور پھر سے اسے دیکھنے لگی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں گہری دھند چھائی ہے۔

ایک بار پھر سے چادر سے اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی تھی۔

وہ آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگی۔

"یہ وہی ہے۔" پھر اس نے سبحان کو دیکھا وہ اسی کو دیکھ رہے تھے۔ ایک بار پھر اس نے اپنی نظریں شعور کے چہرے پر جمائیں۔ سبحان کہنے لگے۔

"میں باہر انتظار کر رہا ہوں۔" وہ کمرے سے نکل گئے۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔ اس کی سفید رنگت زرد پتے کی طرح تھی۔ وہ کھلا چہرہ مرجھایا ہوا تھا وہ خوب صورت آنکھیں بند تھیں۔ وہ دلکش مسکراہٹ خاموشی بن گئی تھی وہ وہاں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

"ہم کہتے تھے نا کہ شعور زندہ ہے۔" سبحان کی آواز اسے دور سے آتی سنائی دے رہی تھی۔ جو آواز صاف سنائی دے رہی تھی وہ کچھ اور کہہ رہی تھی۔

"اس سینے پر گولی کھاؤں گا پر تمہارا ہو کر مروں گا۔"

"اسے ایمرجنسی وارڈ سے یہاں شفٹ کر دیا گیا ہے۔ اب وہ خطرے سے باہر ہے۔" وہ آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔

"بیٹا ایسا نہیں کرتے۔ زندگی میں اچھا برا ہوتا رہتا ہے لیکن ہمت ہار دینا عقلمندی نہیں ہے۔" وہ اور بھی کچھ کہہ رہے تھے جو اس کے کانوں میں نہیں پڑ رہا تھا۔ جو پڑ رہا تھا وہ کوئی اور آواز تھی۔

"دس جملوں میں اظہار محبت کرو گی۔" وہ اس سحر انگیز آواز میں کھوئی صرف اسی کو سوچ رہی تھی۔ روم میں گھستے ہی اس نے سجدہ شکر ادا کیا تھا۔

"زندگی اتنی سہل نہیں ہوتی جتنی بظاہر دکھائی دیتی ہے۔ محبت ہوئی دلہن آئی خاتمہ ہوا شادی ہو گئی۔ غریب تھا اس نے محنت کی اور وہ کامیاب ہو کر اچھی زندگی گزارنے لگا۔ کہنے میں یہ ایک آسان بات لگتی ہے۔ لیکن کہنے میں اور کرنے میں بڑا فرق ہے۔ میری زندگی بھی انہی پر پیچ راہوں سے گزرتی رہی۔ شادی کی رات میں بہت روئی تھی میں یہ سوچ کر کہ میں ایک کٹھن امتحان میں پڑ گئی تھی۔ اس سے پہلے میں نے خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس قسم کی کوئی بڑی آزمائش مجھ پر آ سکتی ہے۔ میں مجھے اس رشتے پر کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی ہے کہ ایک شادی شدہ بندے کو ایک خوابوں میں رہنے والی لڑکی کبھی پسند نہیں کرتی۔ لیکن رشتے کے بعد والدین کے سمجھانے پر مکمل قبول کرنے کو مکمل طور پر تیار ہو چکی تھی۔ لیکن کی پہلی رات شعور کے رویے نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ لیکن تمام تر فکروں سے آزاد یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی کہ اس کی نفرت محدود ہے۔ لیکن شادی کی رات میری ساری خوش فہمی دھری کی دھری رہ گئی۔ اسے صرف

محبت نہیں تھی بلکہ اسے عورت ذات سے نفرت ہو گئی تھی۔ مجھے اس بات پر رونا نہیں آیا تھا کہ اس نے نظر انداز کیوں کیا۔ بلکہ مجھے صرف اس بات پر رونا آتا تھا کہ کیا اب میں آزمائشوں میں گھرنے لگی ہوں۔ ناکامی کا خوف اپنی ہار کی سوچ مجھے رلاتی رہی تھی۔ اس کے کڑوے کسیلے جملے اس کی تلخ باتیں طنزیہ فقرے میرے دل پر چرکے لگاتے رہے۔ جتنی کڑواہٹ اس کے اندر رچی بسی تھی وہ میرا سارا حوصلہ توڑ دیتی تھی۔ ابتدا میں میں بہت روتی رہی۔ ہوتی رہی پھر دھیرے دھیرے میں اس کے ساتھ رویہ بدلنے پر مجبور ہو گئی۔

وہ مرد تھا میرا یقین ہے کہ مرد کے ساتھ عورت کی ضد نہیں چلتی۔ اپنی انا کو کچل کر عورت کو مرد کی طرف بڑھنا پڑتا ہے۔ چاہے وہ اس کے ساتھ جانوروں سا سلوک کیوں نہ کرتا ہو۔ عورت کے پاس دوسری راہ ہوتی ہی نہیں سوائے اپنی انا کا جنازہ نکالنے کے۔ صرف مرد ہی انا رکھتا ہے۔ عورت تو صرف سوچ ہے۔ میں وہی کرنے لگی جو وہ کہتا۔ مجھ پر بہت بڑی ذمہ داری پڑ گئی تھی۔ ایک تو اپنی زندگی کو ایک رخ دینے کی اور دوسری ایک غلط راہ پر پڑ جانے والے کی عورت پر اعتماد بحال کرنے کی۔ وہ عورت کو مکاری اور عیاری سے تشبیہ دیتا تھا۔ جب ایک فرد آپ سے متنفر ہو۔ آپ کو آپ کے خاندان کو۔ آپ کی ذات کو ذلیل کرتا ہو۔ دن رات طنز کے تیر چلاتا ہو۔ ساری رات سارا دن گھر سے باہر رہتا ہو۔ اجنبی ہو۔ محبت آنے کی بجائے صرف غصہ آتا ہے۔ مجھے بھی غصہ آتا تھا۔ لیکن اگر میں غصہ کرتی روتی چیختی اور شور مچاتی تو کیا ہوتا۔ میں بھی زرین بن جاتی۔ اس نفرت کو محبت کی شکل دینا میری مجبوری تھی۔ میں اس کے ساتھ بولتی رہتی۔ ڈھیٹ بن کر خود کو بولنے پر آمادہ کرنے کے لیے مجھے کتنی محنت کرنی پڑتی تھی یہ صرف میں جانتی ہوں۔ پھر رفتہ رفتہ وہ مجھے سننے لگا۔ ہاں مجھے محسوس ہوا تھا کہ وہ مجھے سن رہا تھا۔ اگرچہ تاثر کوئی نہیں تھا لیکن وہ مجھے سن لیتا تھا۔ اس بات نے مجھے

ماضی، حال، مستقبل، محبت، شادی
اور قسمت

آپ کا برج کیا کہتا ہے؟

آپ کے ستارے

○ آپ اپنی شخصیت کا جائزہ لیں اور اپنے دوستوں کو پہچانیں۔ اپنے منفی پہلو پر غور کریں اور خوبیوں کو ابھاریں

یہ کتاب آپ کی بہترین دوست اور تنہائی کی ساتھی ثابت ہوگی۔

○ پہلی بار 12 برجوں پر ایک مستند کتاب آج ہی قریبی بک اسٹال و بکڈپو سے طلب فرمائیں۔

○ 400 صفحات آفسٹ پرنٹنگ، مجلد
خوبصورت سرورق

قیمت صرف 150
(ڈاک خرچ پیکنگ فری)

○ آج ہی 150 روپے کا ڈرافٹ یا منی آرڈر ارسال فرمائیں۔

ڈاک سے منگوانے اور دستی خریداری کے لیے تشریف لائیں۔

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37۔ اردو بازار کراچی
فون:- 216361

حوصلہ دیا اور میں پورے حوصلے سے خود کو ہمت دلا کر اس سے اس کی زندگی اس کے خیالات اس کے اندر جتنی نفرتیں تھیں جتنے گلے شکوے تھے' سب کو ڈسکس کرنے لگی اور پھر جب وہ میرا ہوا جب میری طرف پلٹ کر آیا تو پھر وہ ہوا جس کا میں نے کبھی سوچا بھی نا تھا یعنی زرین ہمارے بیچ آ گئی۔ اس بات نے مجھے توڑ کر رکھ دیا۔ میں دل میں دکھ کا طوفان لیے اماں کے کہنے پر صرف ایک بار اس کے لیے نیک نیتی سے اس کا مقدمہ لے کر اس کے پاس گئی تھی۔ لیکن اس نے مجھے تھپڑ مارا کہ میں اس عورت کے لیے نا روؤں اگر اسے پتہ چلتا کہ میں کیوں رو رہی ہوں تو شاید۔ میں زرین کے لیے نہیں اپنے لیے رو رہی تھی۔ اس وقت مجھے اپنی بد قسمتی پر رونا آ رہا تھا۔ کیا ہوتا اگر وہ ہمارے بیچ نا ہوتی اس پل میں یہی سوچ رہی تھی کہ کیا میں اس بندے کو کسی سے شیئر کر پاؤں گی؟۔ کیا میں اب کر سکتی ہوں۔ وہ صرف میرا نہیں اس کا بھی ہے میں اس وقت اپنی محبت کا ماتم کر رہی تھی' زرین اس پل ہمیں پیچھے چلی گئی تھی وہاں صرف میں تھی۔ میری ذات لیکن وہ سمجھ بیٹھا تھا کہ میں زرین کے لیے۔

"میں زرین کو طلاق دے کر آ رہا ہوں۔" کے الفاظ نے مجھے گم صم کر دیا تھا ہاں مجھے اعتراف ہے کہ اس پل "وہ میرا ہے" کی ایک کمینی سی خوشی ہوئی تھی۔ میں مانتی ہوں کہ زرین کے لیے میں دل سے نا لڑ سکی۔ میں ایک عام سی عورت ہوں ایک عام سی انسان عام انسان عام ہوتا ہے اس لیے وہ دوسروں کے لیے قربانی کا جذبہ نہیں رکھتا۔ میں عام تھی عام لوگ اپنے لیے سوچتے ہیں بعد میں دوسروں کے لیے۔ میں خاص نہیں تھی۔ میں زرین کے لیے کچھ نہیں کر سکی۔ عام انسان اپنے فائدے اپنی بھلائی کے لیے خوش ہوتا ہے مجھے احساس تھا۔ لیکن میں اپنے اندر کی اس حساس عورت کا کیا کرتی جو صرف میں کی تکرار کرتی تھی۔ وہ زرین مجھے معاف کرنا میں تمہارا مقدمہ نہیں لڑ سکی۔ جیل کی ہوا کھانے کے بعد سرفراز کو کچھ عقل آ گئی تو جرگہ ہوا۔ لیکن جرگہ سے پہلے ہی ہم شہر میں سیٹل

ہو گئے۔ اس کے ہاسپٹل سے ڈسچارج ہونے کے بعد ہم نے کرائے پر گھر لیا اور رہنے لگے۔ باقی تو سب ٹھیک ہے وہ نماز بھی پڑھتا ہے پہلے کی طرح قرآن کی تلاوت بھی کرتا ہے۔ اس نے آخری دو سپارے حفظ کر لیے ہیں۔ ہسٹری میں ایم اے کے بعد وہ ایک مقامی کالج میں ہسٹری پڑھاتا ہے۔ لیکن اس سب کے باوجود وہ اب بھی نہیں سدھرا۔ وہ اب بھی پلوشہ کے بارے میں سچ نہیں بتاتا۔ جس لڑکی کے بارے میں پوچھوں۔ چپ چاپ مسکرانے لگتا ہے۔ پوچھوں تو ایکدم سے بولنے لگتا ہے۔

"اس بات کا جواب دوں گا جو صرف میری تمہاری ہوگی۔"

"ماضی میں میں نے جو کچھ کیا اس پر مجھے افسوس ہے اس سے زیادہ اس بات پر افسوس ہے کہ میں نے اس لڑکی کے ساتھ برا سلوک کیا جس نے میری زندگی کو سیدھے راستے پر ڈالا۔ ایک بہتر زندگی کی طرف مجھے گامزن کیا۔ زرین نے جو میرے ساتھ کیا اس کا بدلہ میں سب سے لیتا رہا۔ غلط تھا لیکن کریں کہ انسان بہت جذباتی ہوتا ہے۔ میں نے زرین کے لیے سب کچھ چھوڑ دیا حتیٰ کہ دین و دنیا دونوں۔ اس بات کا افسوس مجھے تا حیات رہے گا۔ پھر اس کے صبر نے جس کا جینا میں نے بہت مشکل کر دیا میرے اندر ڈر پیدا کر دیا۔ وہ جو راتوں کو رو رو کر کے اللہ سے دعا کرتی تھی۔ اس نے میرے دل میں خوف پیدا کر دیا۔ میری دنیاوی زندگی تو تھی ہی خراب آخرت بھی کیا خراب ہوگی یہ سوچ کر میں لرز جاتا جانے کیسے میں اس لڑکی سے ڈر گیا ہاں مجھے اعتراف ہے کہ میں اس سے ڈرنے لگا۔ اس کی بددعاؤں سے اس کی آہ سے پھر رفتہ رفتہ میں لاشعوری طور پر وہ کرنے لگا جو وہ چاہتی تھی۔ میں نے راتوں کو آنا چھوڑ دیا۔ اسے جرس سے نفرت تھی میں نے پینا چھوڑ دیا حالانکہ اس کے لیے میں نے کیا کیا صرف میں جانتا ہوں۔ نشہ آسانی سے نہیں جن دنوں میں نشہ چھوڑ --- رہا تھا ان دنوں

غصہ آتا تھا جھنجلاہٹ سر پر سوار رہتی تھی۔ وہ تین مہینوں میں نے اسے پاگل کر دیا تھا۔ میں دیکھتا تھا وہ ہر وقت روتی رہتی تھی بلکہ زندگی سے بے زار ہو گئی تھی۔ پر میں کیا کرتا میں اسی کے لیے تو کر رہا تھا یہ سب۔ اسے میری ٹیلی فون پر لڑکیوں سے باتیں کرنا برا لگتا تھا میں نے ان کے ساتھ بات چیت بند کر دی۔ اس پر ہمارے بیچ سخت جھگڑا بھی ہوا اسی کی خاطر میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ گھومنے پھرنے جانے سے انکار کرتے ہوئے لاہور جانے کا بہانہ بنایا۔ میں برے دوستوں کی صحبت ترک کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ ان سب باتوں کے پیچھے اس لڑکی کے صبر کا خوف تھا۔ مجھے اس کے صبر سے ڈر لگتا تھا۔ اس کا صبر مجھے کس انجام سے دوچار کر سکتا تھا میں ہر وقت یہی سوچتا رہتا تھا۔ اس نے میری بد سلوکی کے بارے میں کسی سے ایک لفظ تک نا کہا تھا یہ صبر ہی تو تھا۔ اس نے سب اللہ پر چھوڑا تھا اور جو اللہ پر چھوڑتے ہیں تو اللہ بہتر کرتا ہے اس بندے کے حق میں اور پھر اسی ڈر کے باعث میں نے اسے اپنی بیوی تسلیم کر لیا۔ ہاں پھر میں نے اسے اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔ جب اس نے مجھے باپ بننے کی خوشخبری سنائی تو میں مسجد میں گھنٹوں روتا رہا تھا کہ اللہ نے مجھ جیسے گناہگار کو بچے جیسی نعمت بخشی تب میں بہت رویا تھا میں نے اللہ سے معافی مانگی۔ بخشش طلب کی۔ اسے کتابوں سے محبت تھی اسے علم سے عشق تھا میں نے بھی کبھی علم سے عشق کیا تھا۔ پھر اس کی خواہش کو اپنا مقصد بنا کر میں نے ایک بار پھر ایڈمیشن لیا۔ اگرچہ دیر تو ہو چکی تھی لیکن علم حاصل کرنے میں عمر کی کوئی قید نہیں یہی سوچ کر میں نے ایڈمیشن لیا۔ اور یوں میں اس کے خواب کو پورا کرنے میں دل و جان سے لگ گیا۔

بعد میں حالات نے کروٹ لی تو میں ہاسپٹل اور سرفراز خان جیل چلا گیا۔ میرے ڈسچارج ہونے کے کچھ مہینوں بعد ہمارا راضی نامہ ہوا۔ یوں بات بن گئی۔ لیکن راضی نامے کے بعد بھی ہم شہر میں ہی رہنے لگے گاؤں نہیں گئے۔ کہ شہر ہر لحاظ سے بہتر تھا گاؤں سے۔ پھر میں نے یونیورسٹی میں ایڈمشن لیا۔ ایم اے ہسٹری کے بعد کچھ عرصہ بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر ایک مقامی کالج میں لیکچرر شپ مل گئی۔ زندگی میں اگر اچھا ساتھی میسر آئے تو انسان اندھیروں سے نکل کر روشنیوں میں آ جاتا ہے۔ میں نے جو کیا اس پر پشیماں ہوں۔ اور اللہ سے ہر وقت اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا ہوں یہی وجہ ہے کہ اپنے آخری دو سپارے میں نے حفظ کیے اور پورا قرآن پھر سے دہرایا۔ زرین غلط تھی یا نہیں پر میں سمجھتا ہوں کہ میں غلط ضرور تھا۔ میں نے بھی بڑے جذباتی انداز میں سوچا خود کو بھی تماشا بنایا اور زرین کو بھی۔ شاید یہ میری کم عمری کے باعث ہوا۔

خیالات کا تلازم ٹوٹا۔ موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اس وقت دوپہر کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ ٹیرس پر کھڑا ریلنگ پر ہاتھ ٹکائے وہ اس برستی بارش سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ کچھ اسٹوڈنٹس کینٹین میں شرارتوں میں مصروف تھے۔ ان کے قہقہے دور دور تک سنائی دے رہے تھے۔ کینٹین میں گرم گرم پکوڑوں سموسوں کی خوشبو میں اطراف میں پھیل کر بھوک کو بڑھا رہی تھیں۔ وہ کب سے کھڑا بارش کے رکنے کا انتظار کر رہا تھا۔ کلاسز آف ہوتے ہی وہ گھر جانے کے موڈ میں تھا۔ بارش کے قطروں کی رفتار میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے اپنی جیب سے موبائل نکالا۔ گھر کا نمبر ملایا۔ کال ریسیو کرنے والی وہی تھی۔ اسے پتا تھا کہ وہ اس کی کال کا انتظار کر رہی ہوگی۔

"اتنی دیر کیوں کی۔" اس نے کال ریسیو کرتے ہی اسے ٹوکا۔

"بارش نہیں دیکھ رہیں۔"

"تو موسم دیکھ کر ہی نکلنا تھا نا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"پریڈز تھے میرے ایسے کیسے چھوڑ دیتا۔" اس نے

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com

وضاحت کی۔

"تو اب کب تک آئیں گے۔" اس نے طنز سے بھرپور انداز میں کہا۔ وہ چشم تصور میں بھی اسے ناراض دکھائی دے رہی تھی۔

"جب بارش رکے گی۔" اس نے جواباً کہا۔

"اور اگر بارش شام تک جاری رہی تو۔" اب کی بار بھی اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو شام کو آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے شام کو آجانا۔" اس نے لائن کاٹ دی۔ وہ مسکرا دیا۔ وہ اس سے ناراض تھی۔ کل رات سے ان کے درمیان ناراضگی چل رہی تھی۔ وہ راضی ہونے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس نے ایک بار پھر کال ملائی۔ اب کی بار بھی اسی نے ریسیو کیا۔ خفگی کے باوجود وہ ہمیشہ اس کی کال ریسیو کرتی تھی۔

"کیا ہے۔" اس نے چھوٹتے ہی کہا۔

"تم ابھی تک ناراض ہو۔" وہ بڑی دلکش مسکراہٹ ہونٹوں پر لاتے ہوئے بولا۔

"میں ۔۔۔ کیوں میں کیوں ناراض ہوں گی۔" اس نے اسی انداز میں کہا۔

"لگ تو رہی ہو۔"

"لگنے سے کیا ہوتا ہے اور پھر اگر ناراض ہوں بھی تو کوئی بات نہیں کوئی دنیا کے کام تھوڑی رک گئے ہیں میری ناراضگی سے۔" وہ اب بھی طنز کر رہی تھی۔

"تمہارے اس طنز سے لگ رہا ہے کہ تم ناراض ہو ابھی تک۔" اس نے کریدا۔

"بہر حال بارش رکے تو آجانا اگر دل چاہے۔ اگر نا چاہے تو پھر میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ ویسے بھی تمہارا ہم سب سے دل تھوڑی ہی لگتا ہے۔" وہ اب بھی طنزیہ لب و لہجہ اختیار کیے ہوئے تھی۔ وہ بے ساختہ مسکرایا۔

"دکھاؤں اپنا دل۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"رکھو اپنے پاس بوسیدہ عاشقوں کا مارا دل۔" وہ کھل کر مسکرانے لگا۔

"تم تو بہت ناراض لگ رہی ہو میں ابھی آرہا ہوں۔" وہ بے چین ہوا۔ گھر جانے کی خواہش مچلنے لگی۔ اس نے جلدی سے کہا۔

"نہیں بارش رکے تب ہی آنا۔ بھیگ جاؤ گے تو نزلہ زکام بھی ہو سکتا ہے۔" اس کی ہدایات کافی سے زیادہ حکم نامے کی حیثیت رکھتی تھیں۔

"تمہاری ناراضگی ختم سمجھوں۔" اس نے دھیمی مسکراہٹ سے پوچھا۔

"شام کو بات ہوگی۔" اس نے ایک بار پھر کال ڈسکنیکٹ کردی وہ مسکرایا۔ وہ ہمیشہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہوا کرتی تھی۔ بڑی باتوں کی بجائے چھوٹی بات کو لے کے ناراض ہو جاتی تھی اسے اس کی یہی بات اچھی لگتی تھی۔

ناراضگی کی وجہ نیوز تھی۔ رات کو وہ ٹی وی پر نیوز دیکھ رہا تھا وہ اس سے بات کر رہی تھی۔ اس نے اس کی باتوں کو کوئی توجہ نا دی اور پھر کسی خاص نیوز پر اس نے اسے چپ کر جانے کو کہا۔ جس کی وجہ سے وہ برا مان گئی اور اب تک ناراض تھی حالانکہ رات کو وہ اس سے ایکسکیوز کر چکا تھا لیکن پھر بھی وہ ماننے کو تیار نا تھی۔ بارش کی رفتار وہی تھی۔ وہ بارش رکنے کی دعائیں مانگنے لگا۔ وہ جلد سے جلد گھر جانا چاہتا تھا تاکہ اپنی روٹھی بیوی کو منا سکے لیکن یہ بارش ۔۔۔ اسے پتہ تھا کہ اس کے ایک محبت بھرے جملے اور ذرا سی توجہ اسے منٹوں میں منا لے گی۔ اس لیے وہ مطمئن سا اس کی ناراضگی کو سوچتا مسکراتا رہا۔ اس کی نظریں بارش پر تھیں اور دل زبان شعور کے پاس وہ دل جس میں اس کے لیے عقیدت بھی تھی اور محبت بھی اور جہاں محبت کے ساتھ عقیدت بھی ہو وہاں زندگی سنورتی ہے بگڑتی نہیں۔

UrduPhoto.com
UrduPhoto.com
UrduPhoto.com